جلد ۱۰۳ جولائی ۱۹۸۵ء عدد ۵

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسّس

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمہُ اللہُ تعالیٰ

تفہیم القرآن

جلد اوّل ——— جلد سوم

کے

نئے ایڈیشن

طبع ہو کر آ گئے ہیں ۔ تاجران کُتُب اور قارئین کرام

اپنی مطلوبہ تعداد کے لیے پہلی فرصت میں اپنے آرڈر سے

——— مطلع فرمائیں ———

ہدیہ جلد اوّل ——— ۷۲/- روپے

ہدیہ جلد سوم ——— ۸۰/- 〃

اِدارہ ترجمانُ القرآن لمیٹڈ ۔ لاہور

رحمٰن مارکیٹ ، غزنی سٹریٹ ، اُردو بازار

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۳ | جولائی ۱۹۸۵ء مطابق شوال ۱۴۰۵ھ | عدد ۵

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

زرسالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

یہ زمین خدا کی زمین ہے، ہوا کی لہریں اور سورج کی شعاعیں خدا کی عنایات ہیں، روٹی کا نوالہ اور پانی کا گھونٹ اسی کی سخاوت ہے —— اور ہم کیا ہیں؟ اسی کی مخلوق، اسی کے بندے، اسی کے غلام، اسی کی تقدیر میں جکڑے ہوئے، اسی کے قوانینِ تاریخ اور نوامیسِ نفسیات کے پابند ہمارا مقام اس کے سوا کیا ہے کہ اس کی ہدایت پر کاربند ہوں، اس کے احکام میں اپنے آپ کو جکڑے رکھیں اور اس کے حدودِ حلال و حرام کی پابندی کریں۔

یہی دین ہے، اسی کو اسلام کہتے ہیں، اسی کا نام شریعت بھی ہے۔

انسانی زندگی میں بڑی بڑی خرابیاں اس بات سے پیدا ہوئیں کہ انفرادی شریعت اور ہو اور عملاً اجتماعی شریعت دوسری نافذ ہو۔ نام خدا کا چلے اور سکہ قیصر کا رواں ہو، اخلاقی تصورات دوسرے ہوں اور قانونی تصورات الگ۔ مسجد کا خدا اور ہو اور سلطنت کی خدائی کسی شخص یا پارلیمنٹ کے پاس ہو۔

اسلام نے انسانیت کو بہت بڑا انقلاب یہ سکھایا کہ تمہاری انفرادی اور اجتماعی شریعت ایک ہوگی، مسجد اور پارلیمنٹ کا خدا ایک ہی خدا ہوگا، اخلاقی اور قانونی ضابطوں کی شاخیں ایک ہی جڑ سے پھوٹیں گی۔

آج جب نفاذِ شریعت کی آواز اٹھائی جاتی ہے تو ہمارا مطلب یہی ہوتا ہے۔

تحریکِ اقامتِ دین ہو یا تحریکِ نظامِ قرآنی یا تحریکِ نفاذِ شریعت ان سب کا مطلب ایک ہے۔

جو لوگ اس آواز کو شش کر اُ پراتے ہیں یا گھبراتے ہیں وہ اگر بندگانِ مفاد نہیں ہیں تو انہیں جان لینا چاہیے کہ پوری تحریکِ پاکستان نفاذ شریعت کا عہد قوم سے باندھ چکی، قائداعظم اس کو بار بار دہرا چکے، اسی مقصود کی خاطر لوگوں نے جان و مال و آبرو کی قربانیوں سے تاریخ کا ایک زریں باب بھر دیا۔ یہی عہد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو آپ کے دستور میں ثبت ہو گیا اور آج تک وہ ہمارے دستور کے لیے روح رواں ہے۔ آپ نے اگر قوم کے بے شمار افراد اور اداروں سے فائد سے اُٹھائے ہیں اور اس سے بے حساب میراث وصول کی ہے تو پھر خوشی خوشی اس قومی عہد کو بھی جھولی میں ڈلیے اور جس طرح بیٹا باپ کے قرض کی ادائی کے لیے تیار رہوجاتا ہے، آپ بھی جس قوم کے فرزند ہیں اس کا تاریخی حساب بے باق کیجیے۔

نفاذِ شریعت کا قومی فیصلہ تو آپ کے در و دیوار پر لکھا ہے، پاکستان کے ذرّے ذرّے کے ورق پر ثبت ہے۔ یہ آواز تو اس کی ہواؤں میں شامل ہے، یہی نصب العین تو ہمارا تشخص ہے، اسی سے تو ہم میں حرکت ہے، اسی سے زندگی ہے، اسی عَلَم کو لہرا کر ہم ساری دُنیا کے مقابلے میں ایک بلند مقام پر کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہمارا اور کوئی وزن نہیں ہے، ہمارے پاس سر افتخار بلند کرنے والی اور کوئی چیز نہیں ہے، ہماری خودی کو توانائی دینے والی کوئی دوسری رُوح نہیں ہے۔ اپنی مرکزی رُوح سے ہم نے انحراف کیا تو ہماری شکل مسخ ہوجائے گی۔ ہمارا اعتقادی و تہذیبی چہرہ بگڑ جائے گا۔ ہماری قوتیں مفلوج ہوجائیں گی اور ہم ایک ایسے احساسِ کہتری میں غرق ہوجائیں گے جس سے نکلنا ممکن نہ ہوگا۔

یہ فرض بھی ہے، یہ ضرورت بھی ہے، یہ قضایا کا حل بھی ہے، یہ سرمایۂ اعزاز بھی ہے ـــ پھر کیا آپ لوگ محض اپنے حقیر ذاتی مفاد کے لیے اس سے کتراتے ہیں اور قوم کو دھوکہ دیتے ہیں اور فرار کی راہیں نکالتے ہیں؟ یا کیا اسلام دشمن سُپر پاورز سے ڈرتے ہیں؟ حالانکہ آپ کے خلاف سب سے بڑی سُپر پاور تو ابلیس اور اس کے لشکر کی ہے، ڈرنا تھا تو پھر پہلے اس سے ڈرتے اور اسلام کا نام بھی نہ لیتے۔ نام لیا ہے تو بات کو نبھایئے، چاہے جان جوکھوں میں ڈالنا پڑے۔

فریضۂ نفاذِ شریعت سے گریز کرنے کے لیے لادینیت پسند، مغرب پرست اور غلامانِ مفاد تین چیزوں سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

سب سے پہلی دل پسند صورتِ حالات آپ کے لیے یہ رہی ہے کہ دستور سازی کے سلسلے میں سیکولر ذہن کے صاحبوں اور بیگمات کو جو مُنہ توڑ مسکت جواب ۱۹۵۱ء میں تمام فرقوں کے سرکردہ اور معتمد علیہ علماء نے متفقہ طور پر دیا تھا۔ یا جو دینی گروہوں کے اتحاد کا ہماری تاریخ کے فلم میں ایک ولولہ انگیز "ٹوٹا" قومی اتحاد نے ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۷ء کے دور میں پیش کیا تھا، اس کے بعد علماء کو اتحاد کی قدر و قیمت یاد نہ رہی اور جمہوری سیاسی اور لادینی سیاسی قوتوں کے انجر پنجر کو جب مارشل لاء نے خوب اچھی طرح ڈھیلا کر دیا تو ہر کسی نے یہ چاہا کہ وہ آگے بڑھے اور شمشیر جبر کو چُوم کر شریعت کا کوئی خاص تصور پیش کر کے اس کا سکہ چلوا دے۔ حد یہ کہ دینی بصیرت کے وہ نادر پیکر بھی مسجد مسجد سے کھمبیوں کی طرح پیدا ہونے لگے جنہوں نے کہا کہ بس چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہی بہترین امیر المومنین ہیں اور جو اپنے لیے جن لوگوں کو چاہیں اپنی مجلسِ شوریٰ کے لیے مقرر کر لیں اور چاہیں تو اُن کی کوئی بات مانیں اور چاہیں تو نہ مانیں — آخری فیصلہ امیر المومنین کے ہاتھ میں ہو گا۔

کتنا بڑا سانحہ ہے کہ اس سرزمین پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اقامتِ دین کی تحریک اُٹھاتے ہوئے الٰہی جمہوریت (THEO DEMOCRACY) اور جمہوری خلافت (POPULAR VICEGERENCY) کی نئی اصطلاحات کے ساتھ مغربی جمہوریت کے تمام خلافِ اسلام عناصر کو الگ کر کے جو اطمینان بخش تصور اسلامی ہیئتِ سیاسیہ کا برسوں کی محنت و کاوش سے سمجھا اور سمجھایا تھا۔ اور جس تصور کو ماننے والے بے شمار نوجوان (اور ان میں سے بہت سوں کا تعلق مسلم لیگ سے تھا) اُٹھ کھڑے کیے تھے۔ یار لوگوں نے یہ سوچا کہ چلو ان سب کو نظر انداز کر کے اس وقت مارشل لاء کی غیر جمہوری فضا میں سیدھے "پیا" کو منائیں اور برسوں کی محنتوں کو درہم برہم کر دیں۔ کم سے کم وہ تصور تو نہ چلے جس کے چلنے سے دوسرا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

جی ہاں! یہ آپ کے لیے بڑی نعمتِ غیر مترقبہ ہے کہ احبار و رہبان کے قابل کا پورا شیرازہ بکھرا پڑا ہے۔

آپ کے لیے دوسرا دل خوش کن حادثہ یہ ہوا کہ مارشل لا بہادر نے کہا کہ ہم شریعت نافذ کر کے دکھاتے ہیں اور پھر جو شریعت کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے غلط ساخت کے معاشرے کے ٹاٹ میں کمخواب کے پیوند کے طور پر لگ گئے وہ جیسا تماشا بنے، ویسا دلچسپ منظر پہلے کب کسی نے دیکھا ہوگا۔ پھر یہ اضحوکہ کہ عورتوں سے کہا گیا کہ بیبیو! دوپٹے سر پر لو اور دوسری طرف ان بیبیوں کی کمان بیگم سلیمہ احمد کے سپرد کر دی گئی۔ ادھر رمضان میں ختم قرآن کے نوافل میں ضیاصاحب جلوہ گر ہیں، اُدھر مسجد نبویؐ میں روحانی بیٹری چارج کرانے کو ہر سال حاضر —— اور اُدھر فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا مبلغ اسلام طارق عزیز ہے۔ ادھر امریکہ میں پاکستان کی اسلامی دھاک بٹھائی جاتی ہے۔ اور ادھر ہمارے ہاں کی بیگم اوّل بے تکلف مردوں کے سامنے موجود ہیں۔ اُدپر سے حکم ہوتا ہے کہ سرکاری دفاتر اور اداروں میں نماز ادا کی جائے، دو چار دن ڈرامہ ہوتا ہے اور پھر ہر میز پر اس حکم کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔

ملوکیت کی تاریخ میں عمر بن عبدالعزیزؒ اور سلطان صلاح الدین اور اورنگ زیب عالمگیر کبھی کبھی نمودار ہوتے ہیں۔ جو اپنے سارے جابرانہ اقتدار کا قلادہ اُتار کر ایک طرف رکھتے اور عامۃ المسلمین کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر خدا و رسول کی اطاعت کا حق ادا کرتے ہیں۔ فوجی نظامِ حکومت ایسی ہستیاں تیار نہیں کیا کرتا۔ اور آج تک کبھی کوئی فوجی اقتدار ایسا نمودار نہیں ہوا جس نے اپنا تخت خالی کر کے اس پر اسلام کو بٹھا دیا ہو۔ اور خود ایک خادمِ بارگاہ کی حیثیت سے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ اس گئے گزرے دَور میں اگر ہوائی جہاز میں غیر مقدم کرنے والا کپتان اور اس کی ماتحت ہوسٹس پرواز کا اعلان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کرے (میرا مطلب جناب ضیاء الحق صاحب کی کسی اچھی بات کی قدر و قیمت کو کم کرنا نہیں اور نہ اُن کے کسی بھی جزوی اچھے اقدام تک کے لیے ہم نے اچھے کلمات کہنے میں کبھی کوئی کوتاہی کی) تو مجھے صرف یہ حیرت ہے کہ ہماری بے حساب بُرائیوں کے مزبلہ پر اگر گلاب کے دو چار پھول لا رکھے جائیں تو اس دلچسپ حرکت کی داد تو ضرور دینی چاہیے، مگر اس سے مزبلہ چمن میں کیسے بدل جائے گا۔

نظامِ اسلام کے قیام یا نفاذِ شریعت کے لیے جو فطری اسکیم قرآن اور اسوۂ رسولؐ نے دی ہے،

اس کی رُو سے مارشل لا[1] اس کام کے لیے وسیلہ و ذریعہ بننا انتہائی بے معنی ہے۔ اس کام کے لیے پہلے سے تیار شدہ ایک ٹیم چاہیے۔ اس کے لیے مجموعی نظام کو بدلنے اور اس کی بنیادوں کو درست کرنے کے لیے ترجیحات کا ایک منصوبہ موجود ہونا چاہیے۔ مزاحم قوتوں کا پورا شعور ہونا چاہیے کہ وہ کہاں کہاں اور کیا کیا دخل اندازی کریں گی، کون لوگ حکومت کے اندر اہم ناکوں پر بیٹھ کر کام کو ناکام کرنے کے لیے پورا زور لگا دیں گے، کن لوگوں کو ہٹائے بغیر کام آگے نہ چلے گا، جو حکم نافذ کیا جائے اس کے سارے متضمنات کو بھی سوچ لیا جائے اور اس کی مزاحمت کے محاذوں پر بھی کڑی نگاہ ہو۔ پھر اگر نافذ شدہ حکم میں کبھی رخنہ اندازی کی جائے تو تبدیلی لانے والی ٹیم کے پاس ایسے ذرائع ہونے چاہییں کہ وہ رخنہ اندازی کے مجرم کو پکڑ کر احتساب کر سکے۔

یہ سارا کام ہم اوّل روز سے یوں سمجھتے ہیں کہ دعوت الی الاسلام اور اصلاحِ معاشرہ اور تعلیم یافتہ اور کارفرما افراد کو متاثر کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ کام آزادی، جمہوری اور عوامی فضا میں ہو سکتا ہے۔ نظامِ جبر کے اثر سے مرضِ نفاق اتنا پھیل جاتا ہے کہ کسی کی "ہاں" "نہ" پر اعتبار نہیں ہوتا۔ پھر اس کام کے کرنے والوں کو عوام میں اتنا اعتماد حاصل ہو کہ وہ ان کو اسمبلیوں میں نمایندہ بنا کر بھیجیں، وہاں وہ فکری اور جذباتی دونوں طرح کے دلائل سے فضا کو متاثر کریں۔ ادھر باہر سے ان کے ہم خیال عوام اور ووٹر آواز بلند کریں۔ ان ساری چیزوں کی پریس میں بازگشت گونجے۔ خواہ اس طریقہ کار میں کتنی دیر لگے۔ نفاذِ شریعت کے عمل کی مضبوطی کا دار و مدار تمام تر اس طریق کار پر ہے۔

بدقسمتی سے مارشل لا کے تجربے کا ماحصل لوگوں کو یہ ملا کہ اسلام اور شریعت بس نعرے ہی نعرے ہیں۔ مختلف لوگ انھیں اپنی اپنی ضرورت کے مطابق بلند کرتے ہیں اور ان نعروں کا جیسا اور جتنا عکس

[1] حضورؐ کو مکی دور میں بادشاہی کے تاج کی پیش کش کی گئی تھی مگر آپؐ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ ملک اللہ کا ہے وہ جسے چاہے دے یعنی جب تک وہی خود کسی معاشرے کی باگ ڈور پوری طرح حوالے نہ کرے، اسلام کے تقاضوں کو کسی دوسرے کے اشاروں کے تحت نہیں چلایا جا سکتا۔ یہ آیت بھی پیش نظر رہے — قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء ..... الخ

ان کو کام چلانے اور کرسی مضبوط کرنے کے لیے کافی معلوم ہوتا ہے ویسا اور اتنا وہ دکھا دیتے ہیں
اس لحاظ سے مارشل لا کے جزوی اور ناقص اقدامات نفاذِ شریعت لادینیت پسندوں، انحراف پسندوں اور مغرب پرستوں کی تقویت کا ذریعہ بنتے ہیں۔

مارشل لا نے ایک ستم یہ ڈھایا ہے کہ تحریکِ نظام اسلامی اور شریعتِ اسلامی کے سلسلے میں جتنی اصطلاحات تحریک اسلامی نے گذشتہ چالیس پینتالیس سال میں وضع کی تھیں، نہ صرف ان کو نہایت غلط اطلاقات کے ساتھ استعمال کر کے ان کی معنویت کو تباہ کر دیا، بلکہ ہمارے ہاں سے فقرے کے فقرے اور پیرے کے پیرے اکابر کی تقریریں لکھنے والوں نے اس طرح استعمال کر ڈالے کہ جیسے شعرائے کے دیوانوں سے چھانٹ چھانٹ کے اشعار کو زینت کلام بنایا جاتا ہے۔ فقرے حد درجہ انقلابی اور اطلاق حد درجہ سطحی۔ مہریں دیناروں اور اشرفیوں کی، اور لگ رہی تھیں چام کی کترنوں اور کوٹلے کے ٹکڑوں پر۔ یہ تماشا ہم دیکھتے رہے۔ کچھ لوگ اس امید سے کہ اتنا اچھا بیج استعمال کرنے والے کسان کی کھیتی میں زعفران کی فصل لہرائے گی اور جاننے والے جانتے تھے کہ اُگنا سوائے بھٹ کٹیے کے اور کسی کو چیز کو نہیں۔ کیونکہ اصل بیج دوسرا ہے، اچھی فصل کے چند بیج برائے زینت شامل کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ زعفران کا اکا دکا کہیں پودا ہو بھی تو چاروں طرف تختے کے تختے بوہلی اور پیازی اور گوکھروں اور بھٹ کٹیے اور اونٹ کٹارے کے لہلہا رہے ہیں۔ کیا کہنے ہیں اس اسلامی کاشت کاری کے!

مخالفین شریعت کو یقیناً اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اور وہ اُٹھا رہے ہیں۔

تیسری معاون صورت مخالفین اسلام کے لیے یہ پیدا ہوئی کہ شریعت کا وسیع تصور گم ہو کر نگاہوں کا سارا ارتکاز فقہ کے بعض احکام اور اجزائے حدود و تعزیرات پر ہو گیا۔ کسی عالم سے پوچھیے، کسی پڑھے لکھے مذہب پسند آدمی سے پوچھیے کہ نفاذ شریعت سے کیا مراد ہے۔ وہ بلا تکلف شراب، جوئے اور بدکاری کے امتناع اور چوری، قتل، شراب خواری اور قذف کے جرائم کی سزاؤں کے اجرا کا ذکر کرے گا۔

یعنی زندگی کے تمام بڑے بڑے مسائل جن میں ہیئتِ سیاسیہ، نظام شوریٰ، انتخابات،

نظامِ معیشت، کمانے اور خرچ کرتے، تقسیم کرنے اور بچت کرنے کے مسائل، نیز اراضی اور اس کی ملکیت یا اس کی اب تک کی ظالمانہ تقسیم کی اصلاح کا مسئلہ، سُود کو ختم کرنے کے بعد بنک کاری کا کوئی قابلِ عمل نقشہ، بیرونی تجارت اور قرضوں کا معاملہ، خارجہ پالیسی کے ادلتے بدلتے پیچ وخم، ان کا اوّل تو مساجد اور دینی مجالس میں کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے تو اتنا سرسری اور کمزور کہ جاننے والے جان جاتے ہیں کہ دانائے دین ہونے کے لیے ابلۂ دُنیا ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ ان موضوعات پر اب تک جو مطالعے اور کاوشیں انسانوں نے کی ہیں اور لٹریچر کی الماریاں جمع کر دی ہیں، ان سے بھی شاید ہی کسی کو مَس ہو۔ اکثر خیال یہ ہے کہ سارے علوم قرآن میں ہیں اور قرآن کی توضیح حدیث میں ہے۔ رہی سہی کسر ہمارے ائمہ فقہانے پوری کر دی ہے۔ حالانکہ سوال علوم اور اُصولِ حکمت تک محدود نہیں۔ ان کا مختلف احوال پر انطباق کرنے کا ہے۔ مختلف زمانوں اور ممالک کے احوال اور اداروں اور مروجات کو جاننا، پھر ان میں سے اجزائے حق کو چھانٹ کر اجزائے باطل کو ختم کرنا، یہ ہے اصل مسئلہ۔

سو شریعت کے نام کا ایسا استعمال جو واضح اطلاقات معاشرے کے احوال کے متعلق نہ بتا تا ہو، یہ بھی الحاد پسندوں، تحریف پسندوں اور انحراف پسندوں کے حق میں بہت مفید ہے۔

مگر یہ نہ سمجھیے کہ مخالفتِ شریعت کے یہ خوش آئند احوال آپ کے پاس ایسے بے کاٹ اور بے توڑ ہتھیار ہیں کہ آپ جیسے جدھر چاہیں، بزن بولتے جائیں۔

آپ کے لیے ایک البرز شکن قوت بھی موجود ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا تعارف آپ سے پوری طرح کرا دوں۔ آپ صدر ہوں یا وزیراعظم یا اسمبلیوں کے ممبر یا بیوروکریسی کے ستون یا طوفانِ خیر صحافی یا حقائق کو حسبِ منشا مروڑ دینے والے دانشور، یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ میدان خالی ہے، اور اس میدان میں اگر کہیں کوئی ہے تو آپ کی اسکیموں کو کامیاب کرانے والا ہی ہے۔ جی نہیں، آپ آگے چلیں گے تو آپ کو ایسی چٹانوں سے سابقہ پیش آئے گا جن کے ساتھ آپ سر تو پھوڑ سکتے ہیں، مگر ان کو اپنی جگہ سے جنبش نہیں دے سکتے۔ اور یہ وہ قوت ہے جو آپ کو متعدد

معرکوں میں شکست دے چکی ہے۔

یہ قوت ان لاکھوں افراد کی ہے جن کی ایک بڑی تعداد اسلام پر عمل کرتی ہے اور اُن کی ایک تعداد اپنی ہزار عملی کمزوریوں کے باوجود اپنا رشتۂ وفا اسلام ہی سے استوار رکھتی ہے اور دل سے چاہتی بھی ہے کہ کسی طرح اسلام کے طور طریق اور اصول و اقدار اور قوانین و احکام غالب آئیں [1]۔ اسلام کی اس سپاہ میں پہاڑ جیسا مضبوط ایک بڑا عنصر ایسا ہے جو پورے حالات کو خوب سمجھتا ہے۔ عالمی قوتوں کی شرانگیزیوں کو بھی جانتا ہے، اسلام کا رستہ روکنے کے لیے مغربی مفکروں اور سیاست دانوں اور پادریوں کی حرکات سے بھی واقف ہے، اندر کے حکمران طبقے کو سیاسی بساط پر شطرنج کے مہروں کو آگے پیچھے کرتے ہوئے ان کی چالوں کا خوب شعور رکھتا ہے اسے اندازہ رہتا ہے کہ اسلام پر کدھر سے کوئی میزائیل چھوڑا جانے والا ہے۔ وہ لیڈروں اور صحافیوں اور ادیبوں اور خواتین اور علماء میں گھسے ہوئے بے ضمیر لوگوں کے طول طویل سلسلہ ہائے تزویر کو پہچانتا ہے۔ اور اُسے معلوم ہے کہ کب کس موضوع پر کدھر سے ضرب لگانے کا موقع پیدا ہوتا ہے اور اس موقع سے بہترین فائدہ اُٹھانے کا طریقہ کیا ہے۔

جی، یہ بجا کہ اس وسیع التعداد قوت میں ایسے افراد بھی بہت سے ہیں جو اردگرد کے نقشۂ احوال اور شاطرانِ وقت کی چالوں کو اچھی طرح نہیں سمجھتے، مگر ان کی نظر ہمیشہ باشعور اسلامی اکثریت پر رہتی ہے اور وہ جب ادھر سے اشارہ پاتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ کس وار سے بچنا ہے اور کدھر ضرب لگانی ہے۔ پھر اُن کو یہ خوبی بھی اللہ نے دی ہے کہ اُن کے اُوپر بیٹھے ہوئے مولوی اور برادریوں کے چوہدری خواہ کس کس سے لڑتے رہیں یہ لوگ اسلامی مقاصد کے لیے متحد ہو جاتے ہیں ـــ اور وقت آئے تو اپنے آپ کو لاٹھیوں اور گولیوں اور ہتھکڑیوں کے سامنے بھی پیش کر دیتے ہیں۔

آپ اس چوکس قوت سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے، کوئی جائے امان نہیں ہے۔ کسی پارلیمنٹ

---

[1] یہ اتنی ناقابل لحاظ نہیں ہے کہ اسے آپ نظر انداز کر سکیں۔ ذرا آپ ان ووٹروں کا حساب لگا لیجیے جنہوں نے غلبۂ اسلام کے لیے ووٹ دیئے۔

میں آپ سر نہیں چھپا سکتے ، کسی چیمبر میں آپ کوئی سازش کر کے اُسے راز نہیں رکھ سکتے ، کسی مسند پر آپ کو چیئر کے سائے میں پناہ نہیں مل سکتی ۔ کوئی تاج آپ کی چندیا کو بچا نہیں سکتا ، آپ اسے نظر انداز کر کے کسی رُخ پر زیادہ اقدام نہیں کر سکتے ۔

براہ کرم ! اس قوت کو اپنا دل خوش کرنے کے لیے کم نہ سمجھیے ۔ یہ بہت بڑی قوت ہے اور ہر روز اس بیل کی لمبی لمبی شاخیں چاروں طرف پھیلتی جا رہی ہیں ۔ اُس کا ایک حصہ اگر جی دار مرد ہیں ، تو ایک حصہ بیدار دل عورتیں ہیں ، اس کے ساتھ محنت کشوں کے قافلے ہیں ، اس کے ہراول دستوں میں شریف الطبع نوجوانوں اور حجاب پسند طالبات کی وہ بڑھتی ہوئی قوت ہے ، جس کی للکار ایک دن ماڈرن ازم کے دیو ہزار پا کو بے دم کر دے گی ۔ اور اس قوت کے ساتھ اخباری سطح پر لکھنے والے بھی ہیں ، محلہ دار مجالس میں تقریریں کرنے والے بھی ہیں ، ان کے پیچھے شعر و ادب کے چمن طراز بھی ہیں ۔ اور پھر ان سب کی پشت پر علمی کام کرنے والوں کے خاموش محاذ ہیں اور اُن سے بھی پیچھے اخص الخصوص مدبرین ہیں ۔ جو کشمکش احوال میں اسلامی سوچ بچار کا نہج معین کرتے ہیں ۔ یہ قوت نہتی قوت نہیں ہے ۔ اس کے ہاتھوں میں محکم و مدلل لٹریچر کا اسلحہ ہے اور اس اسلحہ کی مار ماسکو اور نیو یارک تک ہے ۔

پھر یہ لوگ ایسے لوگ ہیں کہ آج کے فلسفہ و نفسیات کے ساتھ تازہ ترین مسائل کو سمجھتے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لیے نصوص کو مسخ کیے بغیر اور " حکم کو دشوار " دیکھ کر تاویل کرنے کے بجائے اُصولوں کا صحیح شکل میں انطباق کر سکتے ہیں ۔ اپنے دعووں کے لیے آج کی زبان میں پُر زور دلائل دے سکتے ہیں ۔ شریعت کا لفظ گول مول طریق سے بیان نہیں کرتے بلکہ اس کے تفصیلی تقاضوں کو زندگی کی عملی ضروریات سے جوڑ کر دکھا سکتے ہیں ۔ ہاں اگر ان میں کمی ہے تو صرف یہ کہ اسلام کو مغربی تہذیب و معاشرت کے تابع کرنے والا فنِ اجتہاد نہیں جانتے ۔ یہ تو بس دو اور دو چار کی طرح کی بات کر سکتے ہیں ۔ دو اور دو پانچ یا تین اور تین چار کا فارمولا ان کی ریاضی میں نہیں ہے ۔

اب ایک صورت یہ ہے کہ آپ خدانخواستہ اس عظیم الشان مُسلّم قوت سے نبرد آزمائی

کا راستہ اختیار کریں۔ اس سلسلے میں تاریخ سے گواہی ضرور لے لیں۔ کیا اکبر نے جس طرز فکر اور جس ثقافت اور جس ہندو نوازی کو فروغ دینے کے لیے مسلمان علما کی جانیں لی تھیں اور طرح طرح کے عذاب ڈھائے تھے، وہ سارا طلسم ۵۰ سال بھی باقی رہ سکا۔ کبھی کوئی باقاعدہ تحریک احیائے دَورِ اکبری کے لیے نمودار ہوئی۔ اکبر نے جو پتلا بنایا تھا اس میں عوامی محبت کی رُوح نہ پھونکی جا سکی اور پھر اس میت کو تاریخ کے قبرستان میں اس طرح دفن کر دینا پڑا کہ اس پر کوئی کتبہ بھی نہ تھا۔ کتبہ بھی اب مسلمانوں نے نہیں، ہندوؤں نے "نُلَم مغلِ اعظم" کے نام سے نصب کیا ہے، کیونکہ اکبر تو ان کا آلۂ کار تھا۔ مصر میں ناصری دَور میں اخوان کے خون سے دریائے نیل رنگین ہو گیا۔ مگر اب کہاں ہے ناصر؟ کہاں ہے ناصرازم؟ کہاں ہے روسی ایڈ؟ کہاں ہیں وہ پھانسیاں، زنجیریں، گولیاں اور آلاتِ تعزیر جن کا تختۂ مشق اخوان کو بنایا گیا تھا۔ بخلاف اس کے اخوان آج بھی موجود ہیں اور ان اربابِ فقرِ غیور کا دن پھر بھی آئے گا۔

ملّت کی کوئی قوت جو خدا و رسولؐ کے دین کے لیے جانوں اور مالوں کی قربانیاں دینے والی ہو، جو اپنے دماغوں کا رس نچوڑ نچوڑ کر صفحہ ہائے قرطاس پر منتقل کرنی والی ہو، جس کے پاس تخلیقی صلاحیتیں ہوں، جس کا ضمیر زندہ ہو، جس میں فعالیت اور اقدام کی نعمت موجود ہو اسے نقصان پہنچا کر خود رسوا ہونے کے بجائے اس سے دین اور معاشرے کی اعلیٰ خدمات لینے کا منصوبہ بنائیے۔ یہ منصوبہ چالبازانہ نہ ہو بلکہ دیانت دارانہ ہو۔

اس کا دارومدار ایک ہی چیز پر ہے۔ اس قوت کی ایک ہی شرط ہے ___ خدا کے دین کا نظام قائم کرو، خدا کی شریعت نافذ کرو۔

اس شرط کو اگر نامنظور کرتے ہیں تو یقین جانیے کہ خدا کی طرف سے کوئی ایسی گرفت بہت جلد آئے گی کہ صدارت و وزارت کی کرسیاں طوفان میں بہہ جائیں گی۔ جو عورتیں آج چادر لینے سے انکار کر کے بغاوت کر رہی ہیں۔ ڈر ہے کہ کل کسی لمحۂ عذاب میں پورے جسم پر ایک تار بھی نہ رہے، نہ نانہائی انھیں باہر جا کر دیکھیں کہ اس کا کیفر کردار یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پھر فیشو بزنس کے سوا معاش کا کوئی راستہ ہی نہ ملے۔

یہ عذاب شروع ہو چکا ہے، پانی نہیں، فصلیں خراب۔ بجلی نہیں، صنعت تباہ۔ مامانوں میں

ملاوٹ۔ عام ضروریاتِ زندگی مہنگی، ٹیکسوں کے بڑھتے ہوئے ردّے، بڑوں کی بھاری تنخواہیں اور لامتناہی سہولتیں اور ان کی وجہ سے چھوٹے ملازموں کی خستہ حالی، ہسپتالوں میں داخلے مشکل اور صحیح علاج مشکل تر، کالجوں کے دروازے اچھے اچھے نمبروں والے طلبہ کے لیے بند، نوکریوں کے لیے عرضیاں اور ڈگریاں بیکار، قومی قرضوں کا ایک لمبا طومار، خبروں میں سچ اور جھوٹ کی ملونی، عورتوں کی تصویروں کے ذریعہ اخبارات کی بِکری کا بڑھانا، دو طرف سرحدوں پہ ایسی قوتوں کی مورچہ بندی کہ ایک سپر پاور ہے اور دوسری بھی نیم سپر پاور ہونے کا نشہ رکھتی ہے۔ اپنی فوج کا جائزہ لے کر دیکھنے کی ضرورت ہے کہ سیاست اور مالی مفاد نے کتنی دراڑیں پیدا کر لی ہیں۔ جرائم کا یہ تند جھکڑ کہ آج کوئی بنک لُٹ گیا، کل کسی بس پر عین شاہ راہ کے اُوپر چھاپہ پڑ گیا۔ راہ چلتوں سے بیگ چھن رہے ہیں۔ گھر کی چار دیواری میں عزتیں لُٹ جاتی ہیں۔ اور تھانوں میں ایسے جرائم ہو جاتے ہیں جن کے مجرم کسی کے قابو میں آتے ہی نہیں۔ لوگو! پھر اب کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟ —— ابھی اور بہت کچھ سامنے کھڑا ہے۔ ہوش سے کام لو۔ جھکاؤ اپنے سر خدا اور رسولؐ کے سامنے! یہی واحد راہ نجات ہے۔

نیت صاف ہو تو کرنے کا کام یہ ہے کہ:

۱ —— مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے نفاذِ شریعت کے لیے جو جامع بل داخل کیا ہے اور جس کا اطلاق اصولی طور پہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر ہوتا ہے۔ اسے چمکتے دمکتے چہروں کے سامنے منظور کر لیا جائے۔ اس سلسلے میں پارٹیوں، گروہوں یا فرقوں یا برادریوں کی کوئی تفریقی دخل اندازی نہ ہونی چاہیے۔

۲ —— جو مسودہ ہائے قانون اسلامی نظریاتی کونسل نے اب تک تیار کیے ہیں، ان کو ایک ایک کر کے تیز رفتاری سے ایوان میں لایا جائے اور ان کو پاس کر دیا جائے۔

۳ —— وفاقی شرعی عدالت نے بعض سرکاری قوانین میں جو سقم دریافت کیے ہیں، ان کو اسلامی نظریاتی کونسل کے سامنے رکھ کر قوانین کی اصلاح کرائی جائے۔

۴ —— جہاں تک غیر سودی بنکنگ کے نظام کا مسئلہ ہے، اس میں اگر فی الواقع حقیقی پیچیدگیاں

اور مشکلات اور مشتبہات ہیں تو مختلف دینی اور قانونی اور اقتصادی اداروں اور خصوصاً ماہرین بنک کاری سے اس سوال کے جواب طلب کیے جائیں اور سود کو جرم قرار دینے کے بعد کن کن صورتوں میں بنک کاری بغیر کسی غیر واجب خطرہ و نقصان کے ہو سکتی ہے، نیز وہ کس طرح ان تمام ضروریات کو پورا کر سکتی ہے جو کاروباری نظام کو درپیش رہتی ہیں۔

یہ طریقہ غلط ہے کہ علماء سے یہ کہا جائے کہ چونکہ تم نے قرآن و سنت کے اس قطعی حکم کو سامنے رکھا ہے کہ سود حرام ہے، لہٰذا اب تم ہی غیر سودی بنکنگ کا نقشہ بنا کے دو۔ یہ چھڑا لکھ کر فرار کی صورت ہے۔ سیدھی طرح یہ مانیے کہ سود کا لین دین حرام ہے اور ہم اسے بالکلیہ جلد سے جلد ختم کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا پشاور، اسلام آباد، لاہور، ملتان، فیصل آباد، سکھر، کراچی وغیرہ میں چھ ماہ کے اندر ایسے سیمینار اور ورک شاپ منعقد ہوں جن میں اسلام اور مالیات سے تعلق رکھنے والے مختلف عناصر جمع ہوں، اور جو لوگ بھی مشارکت و مضاربت (یا دونوں کو ملا کر) یا کسی اور صورت میں غیر سودی بنکنگ کا نظام عملاً چلانے کے قابل فارمولا اور عملی نمونہ کر دے سکیں وہ پیش کریں[1]۔ پھر اس سارے ماحصل کو اسلامی مشاورتی کونسل کے سامنے لے جایا جائے۔ جہاں سے ایک حتمی فیصلہ ہو جس کی ایوان منظوری دے اور یہ نظام صحیح شکل میں کام کرنے لگے۔

قوم کی وحدت اسی پر منحصر ہے۔ ملک کا استحکام اسی میں ہے۔ جرائم اور فتنوں کا استیصال اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ سیکولرازم اور مغربی تہذیب اور سوشلزم کے جواب میں اسی صورت میں سینہ سپر ہو سکے گا۔ عوام میں جہادی اسپرٹ کو اسی طریق سے حرکت میں لایا جا سکتا ہے کہ بغیر کسی مداہنت اور تذبذب کے شریعت اسلامیہ کے سامنے سر جھکا کر اس کو واحد صحیح اور عادلانہ قانون یقین کر کے پورے فخر و احساس برتری کے ساتھ نافذ کر دیا جائے۔ ہمارا دین اور ہماری شریعت اور ہماری تہذیب ایسی نہیں کہ ہم کسی کے سامنے شرمائیں اور ... ہمیں ... کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ دوسروں

---

[1] میں بھی انشاء اللہ اس سلسلے میں اپنے خیالات مرتب کر کے پیش کروں گا۔ (مدیر)

کی اندھی نقالی کریں۔

تحریکِ اسلامی کی مرکزی مجلس عاملہ نے میاں طفیل محمد صاحب قائد تحریک کی صدارت میں جو قرارداد پاس کی وہ ایک ایک شخص کے دل کے دروازے کو کھٹکھٹاتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ:

"ہم اپنی محبِ وطن فوج اور تمام وطن دوست سیاسی عناصر سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ پاکستان کے مقصدِ وجود، یعنی اسلامی نظام کے قیام اور نفاذ شریعت اور بحالی جمہوریت کے عمل کو جلد از جلد مکمل کرنے میں مثبت اور بھرپور کردار ادا کریں اور ان سیاسی طالع آزماؤں کے لیے سارے راستے بند کردیں جن کی نگاہیں کسی اور مارشل لا پر لگی ہوئی ہیں۔ ملک جن خطرات میں گھرا ہوا ہے ان میں نئے تجربات ہمارے وجود تک کے لیے خطرے کا باعث بن سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ:

۱ — زندگی کے ہر شعبے میں شریعتِ اسلامی کی بالادستی کو عملاً قائم کیا جائے تاکہ عوام کو ان کے کھوئے ہوئے حقوق پر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت حاصل ہوجائے اور ایک حقیقی منصفانہ اور حق پرور معاشرہ وجود میں آسکے۔

۲ — مارشل لا کو بلا تاخیر اٹھا لیا جائے۔

(ہماری تشریح اس پر یہ ہے کہ اگر شریعت کے قانون سے بالاتر کوئی قانون و اقتدار کسی ملک میں موجود ہو تو نہ صرف نفاذِ شریعت غیر ممکن ہے، بلکہ اس میں توہینِ شریعت کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ (مدیر))

۳ — سیاسی جماعتوں کو اسلام، نظریۂ پاکستان اور دستورِ مملکت کے تحت اور ان کے مطابق کام کرنے کا موقع دیا جائے۔

۴ — ۱۹۷۳ء کے اصل دستور (اس متفق علیہ ترمیم کے ساتھ جو قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لیے کی گئی تھی) بحال کیا جائے۔ تاکہ پارلیمنٹ عوام کے اعتماد کے تقاضوں کو پورا کرسکے۔

اس چار نکاتی مطالبہ میں دینی و سیاسی لحاظ سے کون سی کمی رہ گئی ہے یا کونسا ایسا ٹیڑھ ہے کہ جو کسی کے لیے ذہنی مزاحمت کا سبب بنے۔ مارشل لا کا خاتمہ سب چاہتے ہیں، جمہوریت کی

بحالی سب کا مطلوب ہے، سیاسی جماعتوں کی بحالی کے لیے ہر طرف سے آوازیں اُٹھ رہی ہیں، اور شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ پاکستانیوں کی رُوح کی پُکار ہے۔ اس میں کوئی چیز متنازعہ نہیں۔ کوئی اختلافی قضیہ نہیں، کسی خاص جماعت یا گروہ کی برتری کا کوئی پروگرام نہیں، کسی کو زک دینے کا کوئی جذبہ نہیں۔ صاف ستھرے طریقے سے ایک جائز اور برحق اور معقول مطالبہ پیش کیا گیا ہے۔ معقولیت کی فضا میں اِسے زیرِ غور لایا جائے۔ اخباروں کو کسی انتقامی پالیسی کے تحت اس کا بلیک آؤٹ نہیں کرنا چاہیے، اس کے خلاف ہیچر میچر قسم کے اشقلے نہیں اُٹھانے چاہئیں۔ آخر ان باتوں میں ہم اکٹھے نہ ہوں گے تو اور کون سی دعوت یا پروگرام ہمیں جوڑ سکے گا۔ خاص طور سے ملک کی نوجوان قوت اُٹھے اور ملک میں اس مطالبے کے لیے ایک لہر پیدا کر دے۔ اسلام سے محبت کرنے والی خواتین چپکے چپکے بھی ایسا کام کریں کہ ہر گھر سے اس مطالبے کا چشمہ اُبلنے لگے، اور محفلیں اور سیمینار اور مظاہرے منعقد کر کے اور دستخطوں کی مہمات چلا کر بھی وہ خدمت انجام دیں کہ چند دن میں ایک تہلکہ مچ جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مخالفِ اسلام تصورات کے مسحوروں پر مسلط جادو ٹوٹ جائے۔ عشرت پسندوں کے عیش منغض ہو جائیں، سیکولرسٹوں کے نظریات کا تار و پود بکھر جائے اور مفاد پرستوں کی گہری نیندیں ٹوٹ جائیں۔

یہ مطالبہ ایک ایسی اذان ہو کہ لوگ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھیں اور یہ ایک ایسا صُورِ محشر خیز ہو کہ دولت و جاہ کی پُرشکوہ قبریں شق ہو جائیں اور اپنے اندر کے مدفون مُردوں کو اُگل دیں۔

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیمانِ سجود
ہر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

شرح صدر سے یہ اقدام کیا گیا تو آج سے روس کی مرعوبیت ختم ہو جائے گی۔ امریکہ کی فریب کارانہ پالیسیوں کے دام ٹوٹ جائیں گے، بھارت کے حواس بجا ہو جائیں گے، اسرائیل کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ جائے گا۔ مسلط قوتوں کی ساری امیدیں اس پر قائم ہیں کہ پاکستان کے باشندے کبھی اپنے ایمان اور اپنے نظریے، اپنے دین اور اپنی تہذیب کی بنیاد پر کھڑے ہی نہیں ہو سکتے۔ انہیں اپنی زبان اور اپنے رسم الخط سے محبت ہو ہی نہیں سکتی وہ اپنے اطوار و اقدار کا تصور کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ لیکن زمانے کی یہ امید اگر ہم نے ایک بار توڑ دی

تو یہ زمانہ جس کے آج ہم پاؤں چھوتے ہیں کل ہمارے جوتوں کو بوسہ دے گا۔

یہ پرامن سی تبدیلی درحقیقت ایک بڑا انقلاب ہے۔ ایک پرامن اور غیر محسوس انقلاب جو ہر آدمی کے اندر سے ایک نیا انسان اٹھا کھڑا کرے گی۔ ہمارے اداروں میں نئی توانائی آئے گی ہمارے ذہن نئے افکار مہیا کریں گے ہم فضول درآمدات کو ٹھکرا دیں گے ہم دنیا کی کسی بھی طاقت سے خود دارانہ لہجہ میں بات کریں گے اور اپنی شرائط پر گفتگوئیں چھیڑیں گے۔

یہ نہ سمجھئے کہ جماعت اسلامی بس لٹریچر پھیلانے اور خدمت خلق کے کچھ کام کرنے اور کسی قدر دلچسپی انتخابات سے لینے کے لئے قائم ہوئی ہے جی نہیں اس جماعت کا نصب العین پورے نظام کو تبدیل کر کے ایسی شکل دینا ہے کہ اللہ کے سوا یہاں کوئی دوسرا الٰہ اور رب نہ بن سکے اور غریب ترین آدمی کو زندگی کے جملہ حقوق حاصل ہوں۔

ہم خلوص سے دعوت دیتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کھلے دل سے تعاون کیجئے اور ہمارا جذبہ یہ ہے کہ ؏

بیا تا کارِ ایں ملت بسازیم

---

(۲)

نفاذِ شریعت ہو، عوام کی فلاح و بہبود کی مہم ہو، اصلاحِ معاشرہ کے ٹھوس اور حقیقی کام ہوں، بین الاقوامی حالات میں ملک کے استحکام و استقلال کا معاملہ، ہمارے اپنے تہذیبی شعور اور ملّی شعور کے فروغ کا قصہ ہو، نئی نسلوں کی صحیح تعلیم و تربیت کی مہم ہو، استحصالی قوتوں سے غریب طبقوں کے خون اور گوشت اور ناموس کو بچانے کا قضیہ ہو، حتّٰی کہ اُردو زبان کو صحیح قومی زبان کی حیثیت میں لا کر اسے دفاتر اور کاروبار اور تعلیم کے دائروں میں سرفراز کرنے کا پروگرام ہو ــــــ ان میں سے کسی بھی مقصد کے لیے کوئی ٹھوس اور وقیع کام کرنے میں ایک ایسی دیوار مزاحمت حائل ہے جو حقیقی اور مؤثر قسم کا کوئی ایک قدم بھی کسی کو آگے بڑھانے نہیں دیتی ــــــ

(باقی برصفحہ ۴۵)

عہدِ وفا اور وفائے عہد

درسِ قرآن ——— خرم مراد

(۲)

ایمان کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت و مدد کے لیے اور اس کو غالب کرنے کے لیے یعنی اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں یہی بات سورۃ توبہ کی مذکورہ آیت میں کہی جا رہی ہے۔ یہی وہ دعوت ہے جو قرآن کے صفحے صفحے پر بکھری ہوئی ہے، اسی دعوت کے لیے قرآن اترا۔ رسول آئے، امتِ مسلمہ برپا کی گئی۔ گویا خدا کی حاکمیت کو دنیا میں قائم کرنا سب سے اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن نے اس کوشش کو جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور جہاد کے بارے میں فرمایا ہے کہ کوئی اور عمل اس عمل کے برابر نہیں ہو سکتا۔ فرمایا:

"اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝

(سورۃ التوبہ: ۱۹-۲۱)

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرا لیا جو ایمان لایا اللہ پر اور روزِ آخر پر اور جس نے جانفشانی کی اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو ان ہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اُس کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا وہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسی جنتوں کی بشارت دیتا ہے جہاں اُن کے لیے پائیدار عیش کے سامان ہیں"۔

اِن آیات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حرم کی پاسبانی سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا اُولیٰ و افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاد کرنے والوں کا ہی درجہ اُونچا ہے۔ وہی کامیاب اور سرفراز ہیں، رحمت اور رضوان کی بشارتیں انہی کے لیے ہیں اس جہاد کی دعوت ہے جو پوری اُمت کو دی گئی ہے۔

پھر فرمایا: "تُوَقِّرُوْہُ"

یعنی تم اُس کی توقیر کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر سے یہاں مراد یہ ہے کہ ایک مومن کا سارا وجود اُس کی اطاعت اور محبت اور اس کے عشق سے عبارت ہونا۔ دراصل یہی وہ توقیر ہے کہ جس پہ ہماری اُمتِ مُسلِمہ کا نظامِ جماعت قائم ہوتا ہے۔ اسی سے وہ وابستگی، استحکام، مضبوطی اور ربط پیدا ہوتے ہیں، جن سے ایک جماعت فی الواقع ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑی ہوتی ہے۔ اگر عشق کے اس جذبے کو درمیان سے نکال دیا جائے تو مسلمان ریت کی دیوار بن کر رہ جاتے ہیں۔

اور دیکھیے، کہیں فرمایا:

"رسولؐ کے بلانے کو دوسرے لوگوں کے پکارنے کی طرح نہ سمجھ لینا"

کہیں یہ ارشاد ہوا:

"اپنی آواز کو رسولؐ کی آواز سے بلند نہ کرنا"

کہیں یوں خبردار کیا گیا :

" اپنے آپ کو رسولؐ سے آگے نہ بڑھانا "

گویا کہ نہ رسولؐ کے نقوشِ قدم سے تجاوز جائز ہے نہ اپنی رائے یا پسند و ناپسند کو رسولؐ کی رائے اور پسند و ناپسند پر ترجیح دینے کی اجازت ہے ۔ ان تمام ارشادات کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقام اور ان کے مرتبہ کا یقین ہوتا ہے اور ان ارشاد سے از خود یہ بات نکلتی ہے کہ یہ وہ تعلق اور رشتہ ہے جو ایک درجہ اور پیمانہ پر ہر زمانے میں جماعت کے اندر موجود ہونا چاہیے ۔ خاص طور پر اس جماعت میں جو خدا کے دین کی نصرت کے لیے کھڑی ہوئی ہو ۔ فرمایا :

" وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۔ (الفتح - ۹)

" اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرو "

تسبیح کے معروف معنی تو اللہ تعالیٰ کی پاکی اور بڑائی بیان کرنا ہے لیکن قرآن کریم میں تسبیح کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے ، اس کے اصل معنی کسی کام کو تیزی کے ساتھ کرنے کے ہیں ۔ چنانچہ ستاروں ، چاند اور سورج کے بارے میں کہا گیا ۔

" كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ " (الانبیاء - ۳۳)

" سب کے سب فلک میں تیر رہے ہیں "

دوسری جگہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس بات کی ہدایت کی گئی کہ آپ رات کو کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کریں اور قیام کریں ، آدھی رات یا اس سے کم یا اس سے زیادہ اس کے لیے قرآن نے " سَبْحًا طَوِيْلًا " کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔ یعنی یہ آپ کے لیے بڑی لمبی تسبیح کا شغل ہے ۔ درحقیقت یہ ایک استعارہ ہے دعوتِ حق کے کام کے لیے جو آپ کر رہے تھے اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے خود اپنے فریضے کو جن الفاظ میں ادا کیا وہ یہ تھے :

" كَىْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ، وَنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا " (طٰهٰ - ۳۳ - ۳۴)

" تاکہ ہم آپ کی تسبیح کثرت سے کریں اور آپ کا ذکر کثرت سے کریں "

یہاں صبح و شام ذکر کرنے سے مراد نماز بھی ہو سکتی ہے اور ہے اس لیے کہ اگر صیغہ حکم کا ہو تو نماز ہی وہ فعل ہے جس میں تسبیح موجود ہے اور اس کے اندر ہر قسم کا ذکر اور دعوتِ حق کا دائمی کام بھی شامل ہے۔ اس مقدس کام کو صبح و شام اور مسلسل ہونا چاہیے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے اپنی قوم کو رات اور دن پکارا، کھلے اور چھپے پکارا۔ مطلب یہ کہ تسبیح اس طرح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی جانب دھیان دل میں رہے، زبان پر رہے اور ہر آن رہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب بندوں کو بلانے کا کام بھی دن رات جاری رہے۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ" (الفتح۔۱۰)

"جو لوگ آپ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں"

آپ جانتے ہیں کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی اس کے بارے میں علمائ کی آرا مختلف ہیں کہ یہاں جس بیعت کا ذکر ہے وہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کی جانے والی بیعت ہے یا اس عام بیعت کی جانب اشارہ ہے جو ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان اپنے خدا اور اپنے رسولؐ کے ساتھ کرتا ہے۔ بہرحال اس بات پر سب متفق ہیں کہ اس بیعت کے مفہوم میں وہ بیعتِ ایمان، وہ عہدِ وفا بھی شامل ہے، جو ایک بندۂ مومن اپنے رب اور رسول سے کرتا ہے فرما دیا گیا کہ جو لوگ یہ بیعت کرتے ہیں وہ پھر کسی انسان یا کسی جماعت کے ساتھ بیعت نہیں کرتے بلکہ وہ یہ بیعت یعنی عہد اپنے رب، اپنے مالک اور اپنے آقا کے ساتھ باندھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اس عہدِ وفا کی عظمت، اس کی نزاکت اور اس کی گرانباری کا بیان کس طرح ہو سکتا ہے۔

لیکن اب ذرا ظاہر بین آنکھیں بند کر کے اور دل کی آنکھیں کھول کر دیکھیں۔

"یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ" (الفتح۔۱۰)

"اُن کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے"

خیال میں لائیے، کہ یہ کیسی بیعت، کیسا معاہدہ اور کیسا عہدِ وفا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا۔ حالانکہ وہ تجسیم سے بالا ہے۔ دراصل تمثیل کے پیرائے میں فرمایا گیا ہے

کہ اس کا ہاتھ بھی ان کے ہاتھ کے اوپر ہے اس کا ایک مطلب یہ ہوا کہ یہ اتنی اہم اور گراں بار ذمہ داری ہے کہ اس کا احساس اگر آدمی کا دل کرلے تو اس کا قلب پاش پاش ہو جائے ۔ آخر اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی تو وہ امانت ہے جو ہمارے سپرد ہوئی ہے اور اس امانت کے تقاضے پورے کرنے کا عہد ہے جو ہم نے باندھا ہے ۔ اس کتاب کے بارے میں ایک جگہ ارشاد ہوا کہ اگر یہ پہاڑ کے اوپر بھی اتاری جاتی تو وہ پاش پاش ہو جاتا ۔ اور یہ وہ امانت ہے کہ جس کو اٹھانے سے پہاڑوں ، زمینوں اور آسمانوں نے بھی انکار کیا اور وہ ڈر گئے کہ اس امانت کے تقاضے پورے کرنے کا عہد گویا خالقِ کائنات کے ہاتھ پر عہد کرنا ہے اور اس حوالے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس بیعت کی عظمت و رفعت اور وقعت کیا ہے ۔ دراصل اس گراں بار ذمہ داری کا صحیح احساس پیدا کرنا ہی ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے ۔

" اللہ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کے اوپر ہے " کے جملے میں خوف کے ساتھ ساتھ اطمینان سکون اور لذت کا سامان بھی موجود ہے ۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کے اوپر ہے تو اس کی نصرت اور اس کی تائید و توفیق اور مدد بھی ہمارے شاملِ حال ہو گی ۔ شہادتِ حق ، دعوت الی اللہ ، جہاد فی سبیل اللہ کا عہد پورا کرتے ہوئے اس سے بڑھ کر طمانیت اور لذت اور کس بات میں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ۔ اس میں ٹھنڈک بھی ہے اور حرارت بھی ۔

اس میں عزم کی پختگی اور حوصلہ کی بلندی بھی ہے اور ولولوں اور آرزوں کی گرم جوشی بھی ۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی جانب ایک انتہائی کٹھن اور خطرناک مشن پر بھیجا تو ان الفاظ میں تسکین کا سامان فراہم کیا ۔

" اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی " (طٰہٰ)

" میں تم دونوں (بھائیوں) کے ساتھ ہوں (ہر بات) سنتا رہوں گا اور (ہر حرکت) دیکھتا رہوں گا "

یہی بات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائی گئی ۔

" فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا - (الطور - ۴۸)

"پس تو اپنے رب کے حکم سے ڈٹ جا تو (یہ راہ راست) ہماری نگاہ میں ہے"۔

اور یہی بات ہم سے کہی گئی ہے۔

"وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ" (الحدید)

"اور وہ تمہارا ساتھی ہے، جہاں کہیں جیسے بھی حالات میں تم ہوتے ہو"۔

ایسے آقا کی راہ میں چلنے، کٹنے اور پٹنے میں لذت دوچند ہو جاتی ہے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ پر ہے، اس کی نگاہیں ہم کو داد دے رہی ہیں اور حوصلہ بڑھا رہی ہیں۔

دل کی سچائی اور عہد کی پاس داری کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی جان، اپنا مال، اپنی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی نذر کر دے اور جب تک وہ یہ سودا نقد نہ چکا سکے اس وقت تک اس کے دل میں انتظار، شوق اور آرزو کی آگ سلگتی رہے کہ وہ لمحہ کب آئے گا جب میں اپنی متاع ہستی، اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر سکوں گا۔

"مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ، فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ" (الاحزاب ۲۳)

"مومنین میں سے کچھ مرد ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے باندھا تھا، ان میں سے بعض نے اپنی نذر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دی اور بعض وہ ہیں جو منتظر ہیں (بے چینی کے ساتھ) کہ کب وہ مرحلہ آئے جب وہ اپنی نذر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیں"۔

لیکن جس نے اپنے اس عہد کو توڑا اور ان دو راہوں کے علاوہ کوئی تیسری راہ اختیار کی یا اس بیعت پر دوسری چیزوں کو ترجیح دینا شروع کر دیا تو پھر۔

"يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ" (النساء ۱۱۱)

"یہ کمائی اسی کے لیے وبال ہوگی"۔

پھر فرمایا۔

"فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ" (الفتح ۱۰)

" اب جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ہی ذات پہ ہوگا۔"

عربی زبان میں "علیٰ" کے لفظ میں وبال کا تصور شامل ہے گویا اس عہد شکنی کا پورا وبال خود اس کے اپنے نفس کے اُوپر آتا ہے۔ اس عہد شکنی کے جو نتائج رُونما ہوں گے ان کی تفصیل تو اس مختصر وقت میں ممکن نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کا خاص طور پہ ذکر فرمایا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو لوگ اپنا عہد توڑتے ہیں ان کے دلوں کو سخت کر دیتا ہے۔

" فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً "

(المائدہ - ۱۳)

" ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کے اُوپر لعنت کی، ان کو اپنی رحمت سے دُور کر دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔"

" لعنت کیوں؟"

یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی امانت، وحی و کتاب کی امانت بہت بڑی امانت ہے۔ اس کتاب کی گواہی دینا نہ صرف ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے بلکہ ہم پر سب سے بڑا حق اللہ کا حق ہے جس نے کتاب دی۔ فرشتوں کا حق ہے جو کتاب لائے۔ رسولوں کا حق ہے جنہوں نے کتاب پہنچائی۔ ان سارے انسانوں کا حق ہے جو اس کتاب کی روشنی کے بغیر گمراہی اور تاریکی کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ دُنیا و آخرت کے خسران کا شکار ہونے والے ہیں اور آگ میں گرنے والے ہیں۔ صرف کتاب اللہ کی امانت کے پاسبانوں کی کوتاہی کی وجہ سے۔

کوتاہی، کمی، نقص یا عہد شکنی ایک بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ " جو لوگ اس روشنی اور نعمت کو چھپاتے ہیں، جو کتاب ان پر اُتاری گئی ہے اس کو وہ کھول کر بیان نہیں کرتے اُن پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت کرتا ہے اور سارے لعنت کرنیوالے

بھی لعنت کرتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ اس لعنت سے بچیں اور رحمت انہی کو نصیب ہوگی جو توبہ کریں، اپنے جان و مال کی اصلاح کریں اور کھل کر حق کی گواہی دیں۔" انہی کی طرف میں توجہ کروں گا۔"

پھر آگے چل کر فرمایا:

"جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں درآنحالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کرلیں اور جو کچھ وہ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں، اُن کو میں معاف کردوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔" (سورۃ البقرہ - ۶۰-۱۵۹)

یہ عہد شکنی اور اپنے عہد سے لاپرواہی و تغافل کا معاملہ انسان کیوں کرتا ہے؟ اس کی وجوہات بہت سی ہیں جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ تفصیل کا وقت نہیں لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ معاملہ انسان اُس وقت کرتا ہے کہ جب اُس کی نگاہ نصب العین سے ہٹ جائے اور دوسرے مقاصد اس کی توجہات کا مرکز و محور بن جائیں۔ ان مقاصد اور توجہات میں سب سے بڑی چیز اس دُنیا کا ساز و سامان، اس کی تمنائیں اور آرزوئیں ہیں۔ دل کے پھسلنے کی اس کیفیت سے صراط مستقیم چھوٹ جاتی ہے، راہ کھوٹی ہوجاتی ہے اسی لیے تو قرآن میں بار بار ہدایت دی گئی ہے۔

"وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ۔

(الحجر - ۸۸)

"تمہاری نگاہ کھینچ کر کبھی اس چیز کی طرف نہ جائے جس سے ہم نے دوسروں کو نوازا ہے اور مالا مال کیا ہے۔"

جب نگاہ اُٹھتی ہے تو اٹکتی ہے، جب نگاہ اٹکتی ہے تو دل پھسلتا ہے تو پھر قرار وفا کہاں ٹھہرے اور کیسے ٹھہرے۔ اس آیت کی تفسیر معلوم کرنا ہو تو سر کی آنکھوں سے اپنے

اِردگرد دیکھیے، اپنا معاشرہ دیکھیے، خود اپنے آپ کو دیکھیے۔ آخر میں اجر کا بیان ہوا۔

"وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ہ

(الفتح - ۱۰)

"اور جو اس عہد کو وفا کرے گا جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے،

اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو بڑا اجر دے گا۔"

یہ اجر عظیم کیا ہے؟

قرآن مجید نے اس کی بھی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس وقت تفصیل میں جانا ممکن نہیں، مختصراً یہ کہ نصرت کا وعدہ ہے۔

"نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ" (الصف - ۱۳)

"مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی مدد اور قریبی فتح کی بشارت دے دیں۔"

خلافت کا وعدہ ہے۔ (النور)

سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اس سے بڑھ کر ایک مردِ مومن کے لیے اور کیا بشارت ہو سکتی ہے کہ جب وہ اس دنیا میں رب کا کلمہ بلند کر رہا ہے، گرد و پیش کے لوگوں کو پکار رہا ہے اور ایسے عالم میں ہر آن اور ہر گام پہ اللہ تعالیٰ اس کا رفیق ہے، جو سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو جب وہ فرعون کے دربار میں بھیجے گئے رب سمیع و بصیر نے انہیں ان الفاظ میں بشارت دی کہ "میں تمہارے ساتھ رہوں گا، سنوں گا اور دیکھوں گا" جو کچھ تم کرو گے اور جو بھی تم پر گزرے گی ــــ اور یہی بات ایک دوسرے پیرائے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہی گئی کہ "ہمارے حکم پر مضبوطی سے جم جاؤ تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو" یہاں بیان لطیف اور محبت آمیز ہو گیا ہے۔

"وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ"۔ (المائدہ - ۱۲)

"اور اللہ نے ان سے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز

قائم رکھی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور میرے رسولوں کو مان کر ان کی مدد کرتے رہے۔"

اور یہی مژدہ ان سب لوگوں کو سنایا جنہوں نے اپنے عہدِ وفا کو نبھایا۔ اس دُنیا میں سب سے بڑا اجر اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوگی۔ اگرچہ آخرت میں بھی یہ معیت حاصل ہوگی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اپنے تمام انعامات اور برکات سے نوازے گا۔ رحمت اور فوز و فلاح سے عبارت ہوں گے۔

دوستو اور ساتھیو! قرآن کریم کے اس چھوٹے سے حصے میں ہمارا ہی تذکرہ ہے۔ ہمارا ہی بیان ہے۔ ہم ہی مخاطب ہیں اس لیے کہ یہ گروہ اور یہ قافلہ وہ ہے جس نے اپنا سفر اس عزم کے ساتھ شروع کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک ایک بندے مرد، عورت اور بچے تک اللہ تعالیٰ کی بندگی کا پیغام پہنچائیں گے کہ وہ ان کے سامنے حق کے گواہ بن کر کھڑے ہوں گے۔ اس راہ میں اپنا مال، اپنی جان اور اپنی تمام بہترین صلاحیتیں لٹا دیں گے۔ یہاں تک کہ زندگی میں یہی ایک مقصد تمام مقاصد پر حاوی و غالب ہو جائے گا۔ اسی چیز کو ہم نے اپنے ہاں اِن الفاظ کے ساتھ رقم کیا تھا کہ:

"ہم اپنی ڈور دھوپ، سعی و جہد کو اقامتِ دین کے نصب العین پر مرکوز کر دیں گے اور اپنی حقیقی ضرورتوں کے علاوہ تمام ان دلچسپیوں سے دست کش ہو جائیں گے جو اس نصب العین کی طرف نہ لے جاتی ہوں۔"

یہ وہ منزل ہے جس پر ہمارا عہد پورا ہوگا اور جب تک یہ عہد پورا نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ نہیں ہوگی ـــ

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

راشد الغنوشی

تیونس میں تحریکِ اسلامی

مترجم جناب پروفیسر آسی ضیائی صاحب

تیونس کی اسلام پسند تحریک کے معروف رہنما، راشد الغنوشی گذشتہ اگست کو (دس میں سے) تین سال قید کاٹ کر رہا ہوئے۔ انہیں یہ سزا بورقیبہ کی مخالفِ اسلام پالیسیوں کی مخالفت کرنے پر دی گئی تھی۔

یہاں اُن کا عبدالحیب قسطنیرا سے ایک انٹرویو پیش کیا جا رہا ہے، جس میں انہوں نے تحریکِ اسلامی میں اپنے تجربات بیان کیے ہیں اور شمالی افریقہ میں اِس تحریک کے مستقبل پر اظہارِ خیال کیا ہے۔

سوال: کیا آپ اپنی سرگذشت بتایئے گا اور یہ کہ اسلام کی راہ میں جدوجہد سے کیونکر وابستہ ہوئے؟

جواب: مَیں نے ثانوی تعلیم زیتونہ مدرسہ سے مکمل کی، جس کے بعد تیونسی حکومت نے وہ بند ہی کر دیا۔ یوں میرا تعلق آزادی کے ابتدائی سالوں والے طلبائے زیتونہ کی نسل سے ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ہم اپنے ہی ملک میں خود کو اجنبی محسوس کرتے تھے۔ ہماری تعلیم تو ہوئی تھی مسلمانوں اور عربوں جیسی، مگر ملک ہمیں مکمل طور پر فرانسیسی تہذیب میں غرق نظر آتا تھا۔ مزید تعلیم کے دروازے ہم پر بند تھے، کیوں کہ یونیورسٹی پوری طرح مغرب زدہ تھی۔ اُس زمانے میں جو عربی میں تعلیم جاری رکھنا چاہتے تھے انہیں مشرقِ وسطیٰ جانا پڑتا تھا۔ مَیں بھی انہی میں سے تھا جنہوں نے مشرقِ وسطیٰ میں اپنی پڑھائی مکمل کرنے کا فیصلہ

کیا۔ میں نے دمشق سے شعبۂ فلسفہ و ادب میں، باختصاص فلسفہ، میٹرک اور چار سال بعد گریجوایشن کیا۔

۱۹۶۴ء میں جب میں نے یونیورسٹی میں پڑھنا شروع کیا تب میرا تک عرب قومیت کی راہ پر چل رہا تھا، سو میں بھی کچھ مدت تک اس سے وابستہ رہا۔ اس میں سائنٹیفک سوشلزم شامل تھا جو مارکسزم سے بہت قریب تھا۔ چنانچہ یونیورسٹی کے ابتدائی سالوں میں میں بھی لادین ہو گیا تھا۔ البتہ اندر سے میں برابر مومن رہا۔ میں رمضان میں روزے کو رکھتا تھا مگر نماز اور دین کے دیگر تقاضے پورے نہ کرتا تھا۔

جیسا کہ ہم شمالی افریقہ کے لوگ سمجھتے ہیں، میں بھی ہمیشہ سمجھتا رہا کہ میرا عرب ہونا اور مسلمان ہونا غیر منفک حقائق ہیں۔ البتہ مشرق وسطیٰ میں عرب عیسائی بھی ہوتے ہیں۔ اور مختلف غیر مسلم فرقوں والے بھی۔ وہاں عربیت کا تصور ہی بالعموم مخالفِ اسلام ہوتا ہے۔

عرب قومیت سے میرا لگاؤ زیادہ دیر نہ رہا۔ یونیورسٹی کے اندر جب میرا واسطہ دوسرے اسلام پسندوں سے پڑا جو نیشنلزم کے قائل نہ تھے تو میری ان سے بحث ہوئی، جس سے ترقی پسندانہ طور پر میرے ذہن پر سے نیشنلزم کی گرفت کمزور پڑتی گئی۔ کچھ عرصے بعد میں نے جان لیا کہ عرب نیشنلزم اسلام کے خلاف ہے۔ اگرچہ عربی جذبات و شناخت، جس میں میری تعلیم ہوئی تھی، اور اسلام ایک ہی بات ہے۔ اُن دنوں میں شام کی ناصری سوشلسٹ پارٹی کا ممبر تھا، مگر جب ایک دفعہ میں نے اس کا صحیح مطلب سمجھ لیا تو اُسے ترک کر دیا اور اسلام کو مکمل طور پر اختیار کر لیا اور ساتھ ہی مجھ میں یہ اُمنگ اُبھر آئی کہ ان تمام لادینی رجحانات کے ایک ایک مظہر سے جنگ کی جائے۔

پھر میں اعلیٰ تعلیم کے لیے فرانس چلا گیا، مگر خاندانی حالات کے باعث مجھے ایک ہی سال بعد واپس تیونس آنا پڑا۔ یہاں ایک ثانوی مدرسے میں میں نے استاذِ فلسفہ کی حیثیت سے کام کا آغاز کیا۔ تبھی سے میں نے نوعمروں میں اپنی اسلامی سرگرمیاں شروع کیں۔ یہ ۱۹۶۰ء کے عشرے کا اخیر زمانہ تھا۔

اس مدرسے میں ہم نے ایک پرانی مسجد کو، جو کچھ عرصے سے ویران پڑی تھی، آباد کرنے سے پہل کی۔ ابتدائی مدارج میں میں اپنی بیشتر مساعی اس کام کے لیے وقف رکھتا کہ عقلی استدلال سے اپنے طلبہ پر مادہ پرستانہ نظریے کی خامیاں اور تضادات واضح کر دوں۔ پھر میں اسلام کا نقطۂ نظر پیش

کرتا اور تمام دیگر مغربی ادیان پہ اُس کی برتری ثابت کرتا۔

ہمارا حقیقی کام دراصل ستر کے عشرے میں شروع ہوا، جب یہاں دارالحکومت میں نوجوانوں کا ایک چھوٹا سا گروپ بنا۔ اُن دنوں کوئی نوجوان، بالخصوص جب کہ وہ نام نہاد تعلیم یافتہ لوگوں میں سے بھی ہو، نماز پڑھتا بمشکل ہی ملتا تھا۔ رہیں لڑکیاں تو تقریباً ناممکن تھا کہ ان میں سے کوئی اسلامی لباس میں دکھائی دے جائے۔ اسی پہلے گروپ کے ممبروں میں سے عبدالفتاح مورو تھے۔

ہماری سرگرمیوں کے دو میدان تھے: ثانوی مدارس، جہاں ہم جلسے اور اجتماعات منعقد کراتے، اور مساجد، جہاں ہم اسلام کے متعلق درسوں کا اہتمام کرتے۔ کبھی کبھی ہم اسلام کی طرف لوگوں کو بلانے کے لیے سڑکوں پر بھی نکل آتے، جیسے (پاکستان فی الاصل) تبلیغی جماعت کرتی ہے۔

سوال: کیا حکومت نے ان سرگرمیوں کو روکنے کی کوشش کی؟

جواب: اُس وقت کسی کو گمان بھی نہیں تھا کہ ایک اسلامی تحریک کو ایسے ماحول کے اندر کوئی کامیابی ہو پائے گی جو مادی قدروں سے چھلکا پڑ رہا ہو۔ جہاں ہر چیز حدودِ اسلام کی پامالی کی دعوت دیتی ہے۔ اس نظام نے نوجوانوں کو بے دین بنانے کا خصوصی اہتمام کیا تھا ـــــ مادہ پرستانہ رجحان نے انہیں نکما اور مسکین بنا ڈالا تھا۔ بہرحال جب اسلام پسندوں کی تعداد بڑھنے لگی، تب حکومت نے ہماری سرگرمیاں مفلوج کر دینے کی کوشش کی۔ اس پر ہم مجبور ہوئے کہ عمل کے اور طریقے سوچیں۔ چنانچہ ہم نے اپنی تدبیر (اسٹریٹیجی) بدل کر طے کیا کہ اپنے گھروں ہی کے خفیہ میدانِ جنگ میں اپنی سرگرمیاں لے جائیں۔ ہم نے خود کو اسلام کی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کے لیے گروپ بنائے۔ ہر گروپ میں آٹھ دس برادر اور ایک نگران اور ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہ تعلیم حفظِ قرآن، سنت اور دوسرے علومِ اسلامی کے مطالعے پر مشتمل ہوتی۔ ہم ایک چھوٹا سا اسلامی معاشرہ بن کر ایک دوسرے کو ہر اس بات میں مدد دیتے جو ہمیں اللہ سے قریب تر کرے۔ مثلاً ہم نے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے باقاعدہ چندہ دینا رائج کیا۔

یہ چھوٹے چھوٹے گروپ بڑھتے بڑھتے پورے ملک پر محیط ہو گئے۔ اِدھر ثانوی مدارس کے طلبہ یونیورسٹی میں پہنچے اور وہاں اسلامیوں اور مارکسیوں میں باہم کشمکش شروع ہوئی۔ کچھ سالوں سے مارکسیوں کا طلبہ میں بڑا زور تھا۔ اور وہ ہم پر بقول اپنے "انقلابی تشدد" آزمانے سے بھی نہیں

چکے تھے۔ اس صورتِ حال میں اسلام پسند بھی اپنے بچاؤ کی خاطر ایک سے زائد بار جوابی کارروائی کرنے پر مجبور ہوئے۔ دس سال کی مسلسل لڑائی کے بعد اسلام پسندوں نے یونیورسٹیوں میں طاقت پکڑی، اور آج طلبہ کی تمام تحریکوں میں طاقت ور ترین مانے جاتے ہیں۔ اُدھر اس اثنا میں ہم تقریباً ہر ثانوی مدرسے میں مسجد بنوانے میں کامیاب ہو گئے۔

اپنی دعوت کو مزید بڑھانے کی غرض سے ہم مزدور یونینوں کے ذریعے مزدور دنیا میں داخل ہوئے۔ ہمارے ملک میں ایک روایت بہت قوی ہے۔ تیونیسیا کی مزدور تنظیم پورے براعظم افریقہ اور ساری عرب دنیا میں طاقت ور ترین ہے۔ پہلے پہل اس یونین (تیونسی محنت کشوں کی جنرل یونین یا "یوجی ٹی ٹی") پر دستور پارٹی یعنی حکومتی پارٹی کا عمل دخل تھا۔ پھر طویل جدوجہد کے بعد مارکسیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ عشرۂ ۱۹۷۰ء کے آخری دنوں میں ملک میں عام ہڑتال ہوئی۔ محنت کشوں کو مملکت کی سیکورٹی افواج سے جا بھڑایا گیا جس میں بہت سی جانیں گئیں۔ اس بحران کے نتیجے میں یونین سے دستوری پارٹی کو خارج ہونا پڑا۔

اِن تمام تشدد آمیز واقعات کے دوران میں ہم الگ تھلگ رہے، اور ان میں سے کسی میں ہم نے حصہ نہ لیا۔ ہماری کوئی یونین والی سرگرمی ہی نہ تھی، کیونکہ ہمارا ایک طرفہ فیصلہ یہ تھا کہ یونین بازی ہمارے شایانِ شان نہیں۔ امیر اور غریب کے مابین سماجی ٹکراؤ مارکسی کُلیہ ہے جو ہمارے تصورِ زندگی سے میل نہیں کھاتا۔ بعد میں ہم نے جان لیا کہ اس کشمکش میں اسلام کے پاس بھی کچھ کہنے کو ہے اور یہ کہ بحیثیت مسلمان ہم اس سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ اسلام مظلوم کی حمایت کرتا ہے۔

اپنے ملک میں ہم نے دیکھا کہ بین الاقوامی سرمایہ داری سے وابستہ گروپ عوام کا استحصال کرتا ہے اور اس سے سماجی رواداری، ہم آہنگی اور توازن ٹوٹ گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام لوگوں کے مادی مراتب میں مکمل مساوات کا ڈھونگ نہیں رچاتا۔ کیونکہ یہ صریحاً محال ہے، مگر یہ بھی یقینی ہے کہ اسلامی معاشرے میں یہ روا نہیں کہ چند لوگوں کے پاس تو سب کچھ ہو اور باقی بھوکوں مریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر سوئے اور اس کو معلوم ہو کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہے"۔ ایک اور مشہور حدیث میں آپ نے قبیلہ اشعریین کے اُن اصحاب کی تعریف فرمائی کہ "جب اُن کا رزق تھڑ جاتا ہے یا وہ غربت کا شکار ہو جاتے ہیں تو وہ اپنا سارا

ذخیرہ جمع کر کے آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ میں اُن میں سے ہوں اور وہ میرے لوگ ہیں"۔
پھر ہمارا موقف بالکل واضح ہوگیا ـــــ ہم مظلوموں کے طرف دار تھے۔ اسی نکتے سے معاشرتی حقائق کا احساس اور ادراک ہم میں اُبھرنا شروع ہوا۔ اسلام پسندوں نے ٹریڈ یونین تحریکوں کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اور آج وہ اس میدان میں ایک بڑی طاقتور جماعت کی نمائندگی کرتے ہیں۔

عوام، خاص کر نوجوانوں، کا اسلام کو اس حد تک قبول کر لینا کہ کچھ مساجد میں اسلام کا درس سننے کے لیے کبھی کبھی ہزاروں اہل ایمان جمع ہو جاتے، ساتھ ہی ایرانی انقلاب کی مقبولیت اور وہ جوش و جذبہ جو نوجوانوں میں پیدا ہو گیا ـــــ یہ سب مل کر تیونیسیا کو انقلابی احیائے اسلام کی راہ پر لے جاتا، جس میں پرانے نظام کی موت دکھائی دینے لگی۔ چنانچہ تیونسی حکومت اس نئی تحریک کا قریب سے جائزہ لینے لگی۔ حکومت کے اندیشے اُس وقت نقطۂ عروج پر پہنچ گئے جب تحریک نے درخواست پیش کی کہ اسے قانوناً ایک سیاسی جماعت مان لیا جائے۔ حکومت کو معلوم ہے کہ ہماری تحریک بہت مقبول ہے اور اس کی جڑیں گہری ہیں اور اگر کبھی ہم نے الیکشن میں حصہ لیا تو فتح ہماری ہوگی۔ دوسری طرف باقی ہر جماعت حکومت کے قابو میں ہے۔ اور یہ خوب معلوم ہے کہ اُن سے کوئی حقیقی خطرہ نہیں ہے۔

ملک کے اندر اور باہر انہی حالات سے حکومت مجبور ہوگئی کہ بڑے پیمانے پر ہماری تحریک کو دبا دے۔ ۱۷ رمضان ۱۴۰۱ھ (جولائی ۱۹۸۱ء) کو ہمارے گروپ کے تمام جانے پہچانے رہنما ارکان، ہمدردوں بلکہ مشتبہ افراد سمیت گرفتار کر لیے گئے۔ ہم سب کو قید میں ڈال کر بعد میں مقدمہ چلایا گیا اور ۱۸ سال قید تک کی سخت سزائیں دی گئیں۔

سوال: تحریک کے ارکان کے خلاف الزامات کیا لگائے گئے؟

جواب: ہماری گرفتاری کا بہانہ یہ بنایا گیا کہ ہم ایک خفیہ تنظیم ہیں اور یہ کہ ہم نے سربراہ مملکت کی توہین کی۔ ہمارے دفاع کے لیے سَو سے زائد قانون دانوں نے پیش کش کی ـــــ جن میں سے کچھ اسلام پسندانہ رجحان والے تھے اور کچھ دوسرے رجحان والے ـــــ بلکہ وہ تو اس الزام کے خلاف مظاہرہ کرنے پر بھی آمادہ تھے۔ ہماری تحریک ہرگز خفیہ نہ تھی اور اس کی شہادت یہ

ہے کہ ہم نے باقاعدہ درخواست دی تھی کہ کسی اور پارٹی کی طرح ہمیں بھی قانونی حیثیت دی جائے۔ استغاثہ کی طرف سے "ثبوت" کے طور پر جعلی اشاعتوں کے چند نسخے پیش کیے گئے جنہیں ہم سے منسوب کیا گیا۔ یہ مقدمات تین سال تک چلتے رہے۔

حکومت کا خیال تھا کہ ہر مقدمے کے بعد تحریک بکھرتی جائے گی، مگر بار بار نئے گروپ اُبھر آتے جو تحریک کی رہنمائی کرنے لگتے۔ پہلی گرفتاریوں کے تین سال بعد تیونسی حکومت نے جانا کہ اسلامی تحریک کی طاقت بڑھتی جارہی ہے، اس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، حتیٰ کہ جس رسالہ یا مجلّہ کو اپنے تمام نسخے فروخت کرنے ہوتے اسے بس اسلام پسندوں کے بارے میں ایک مضمون شائع کر دینا کافی ہوتا۔

جنوری ۱۹۸۴ء میں تیونسی حکومت ایک بڑے بحران کی زد میں آگئی۔ "روٹی کے بحران" نے حکومت اور اس کی سیاست کی نااہلی واضح کر دی، لہٰذا حکومت کو مجبوراً عوام کو کچھ مراعات دینی پڑیں۔ یوں ہم اللہ کریم کے فضل سے معافیٔ عام کے تحت رہا ہو گئے۔

سوال: بورقیبہ حکومت نے اسلام کے ساتھ جو رویہ اور طرزِ عمل روا رکھا اس کے متعلق مختصراً کچھ بتایئے گا؟

جواب: کیا عجیب معاملہ ہے کہ بورقیبہ جب فرانسیسی استعمار سے آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا تو اپنے خطابوں میں قرآن و حدیث سے کام لیتا تھا اور مسجدوں میں خطبے دیتا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں اس نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اُن عورتوں کی مذمت کی جو گھر سے بلا حجاب نکل آتی تھیں۔ مگر جب ۱۹۵۷ء میں برسرِ اقتدار تھا تو اس نے حجاب اوڑھنے پر پابندی لگا دی، اور ایک مرتبہ تو اس نے یہ تماشا کیا کہ ایک عورت کا نقاب نوچ کر پھاڑ ڈالا۔ بعد ازاں ۱۹۸۱ء میں ایک قانون منظور ہوا جس کی رُو سے سرکاری دفاتر میں ملازم یا یونیورسٹیوں اور کالجوں میں داخلہ لینے والی خواتین کا پردے میں رہنا ممنوع قرار دیا گیا۔

پھر ۱۹۵۹ء میں اس نے تعددِ ازدواج کو ممنوع قرار دیا۔ اور یہ دیوانی قوانین آج تک نافذ ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں بورقیبہ نے رمضان میں روزے رکھنا ممنوع قرار دیا۔ اور عذر یہ کیا کہ یہ ملکی معیشت کے لیے نقصان رساں ہے، اور سارے اہلِ تیونس کو روزہ توڑنے کی دعوت کے طور پر علی الاعلان شراب پی۔ ۱۹۷۴ء میں اس نے دعویٰ کیا کہ قرآن میں تضادات ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مذاق اُڑایا۔

گو یہ صحیح ہے کہ بورقیبہ سے پہلے کے حکمران بھی شریعت کے پابند نہ تھے نہ اس پر عمل پیرا، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی نے اسلام کی تذلیل نہیں کی تھی۔ اور نہ مسلمانوں پر مخالفِ اسلام قوانین مسلط کیے تھے، خواہ وہ اندر سے سچے مومن بھی نہ ہوں۔ مگر بورقیبہ تو خلافِ اسلام جنگ کرنے اور تیونس میں مادہ پرست مغربی معاشرے کے تمام اقدار و اطوارِ حیات ٹھونسنے میں فعال رہا ہے۔

سوال: جب اسلام کے خلاف یہ سب کارروائیاں ہو رہی تھیں تو علمائے تیونس نے حکومت کے خلاف کوئی موقف اختیار نہ کیا؟

جواب: نام نہاد "آزادی" کی آمد کے وقت سے علما کی سیادت کمزور پڑ گئی تھی۔ اگر کوئی امام حکومت کے خلاف بولنے کی جرأت کرتا تو منصب سے معزول کر دیا جاتا۔ اور اس کا جینا دوبھر ہو جاتا۔ جب بورقیبہ نے رمضان میں روزے رکھنے کو ممنوع ٹھیرایا تو دو علما نے علی الاعلان اس کی مخالفت کی ___ شیخ عبدالرحیم الحلیف اور شیخ الورطانی ___ دونوں کو تین سال قید کی سزا دے دی گئی، گو بعد میں انہیں معافی مل گئی۔

۱۹۶۲ء میں علما کے ایک گروہ نے فوج کے ایک حصے کے اشتراک سے حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی۔ سازش پکڑی گئی اور دو علما شیخ الرحمونی اور شیخ عبدالعزیز العقبی، جو اس میں شریک تھے، تختۂ دار پر چڑھا دیے گئے۔

سوال: اب تک ہم نے ماضی کی بات کی ہے۔ آئیے اب آئندہ سے نظر ملائیں۔ شمالی افریقہ اور خاص کر تیونس میں احیائے اسلام کی بابت آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: "المغرب" میں جو نام نہاد آزادی کی تحریکیں استعماریوں سے لڑتے اٹھی تھیں، اب خود برسرِ اقتدار آ کر انہوں نے عوام سے دغا کی، جنہوں نے اسلام کی خاطر یہ جنگ لڑی تھی اور تب سے انہوں نے خود استعماریوں سے بھی بڑھ کر اسلام کو بے دست و پا کر دینے کی کوششیں جاری کر رکھی ہیں۔

آج ہمارے ملکوں میں جو مغرب زدہ خواص برسرِ اقتدار ہیں وہ صرف اُس مختصر سی اقلیت کی نمائندگی کرتے ہیں جو مملکت فوج اور ذرائع ابلاغ کی طاقت سے مسلم اہلِ ایمان کی آبادی پر زبردستی مسلط ہو گئی ہے۔ استعماریوں ہی نے ان کو تعلیم دی اور انہی سے انہوں نے اقتدار کا ورثہ پایا۔

اب آئندہ کے خواص، جو اسلامی تیونس پر حکمرانی کریں گے، وہ نئی نسل ہے جو اس وقت زیرِ عتاب ہے۔ ان شاء اللہ یہی اِس سرزمین میں اسلام کو پھر سے نافذ کریں گے۔

سوال: تیونس کی معیشت بنی ہے سیاحت کی آمدنی پر، اور فرانس میں جا بسنے والوں کی ارسال کردہ رقوم پر۔ اور انہی دونوں نے ملک کے اخلاقی زوال اور اسلامی شعائر سے بے توجہی پھیلانے میں زبردست حصہ لیا ہے۔ لیکن اگر انہی دو ذرائع سے ملک محروم ہو جائے تو اس کی معیشت کا کیا حشر ہو گا؟

جواب: کسی قوم کی دولت تو اس کے عوام کی اپنی محنت کا ثمرہ ہونا چاہیے۔ مگر بورقیبہ حکومت نے جو آدمی بنایا ہے وہ منتظر رہتا ہے کہ کہیں اور سے فوائد آ کر اُسے مل جائیں، یہی کچھ سیاحت اور پردیس جا بسنے سے ہو رہا ہے۔ "بورقیبائی آدمی" تو وہ الٹے تلّلے کرنے والا شخص ہے جسے سنجیدگی چھو نہیں گئی۔ ہمارے ملک کی معیشت کی اساس تب ہی بدلے گی جب تیونس کا آدمی زندگی کو متاعِ عزیز سمجھنے لگے اور جب اللہ کی راہ میں اپنی کوششوں کی قدر جانے اور اجر بعد الموت پر ایمان لائے۔

کسی ملک کی معاشی ترقی مشکل بات ہے اور محنت اور سعیِ مسلسل چاہتی ہے۔ ماضی میں تیونیسیہ اصلاً زرعی ملک تھا، مگر اب قوم کی عمومی آمدنی (G.D.P.) میں زراعت کا حصہ صرف ۱۵ تا ۱۸ فیصد ہے۔ تیونیسیا کو رومن "یورپ کا کھتا" کہتے تھے، اور آج نصف سے زائد غذا درآمد کی جاتی ہے۔ فرانسیسیوں نے زیتون کے درخت اُکھاڑ کر تاکستان لگائے ... سو آج تیونیسیا ایک بڑا شراب ساز ملک ہو گیا ہے۔ ملک کی معیشت کی بنیاد، یورپ پر کُلی انحصار پہ رکھی گئی ہے۔ یورپ میں جب بھی کبھی کوئی معاشی بحران پیدا ہوتا ہے، تیونسی معیشت اس سے متاثر ہوتی ہے۔ یہ انحصار غلط بات ہے، خدمات اور مال کے باہم مبادلے کے فطری تعلقات تو اسلامی اور عرب دُنیا اور افریقہ سے ہونے چاہئیں۔

اپنے ساتھی کے نام

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

عزیز دوست !

تم پر اللہ کی سلامتی اور رحمت و برکت ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عبرت پکڑنے والا دل اور ذکرِ الٰہی عطا کرنے والی زبان عطا فرمائے اور مالک اپنی راہ میں تمہیں استقامت والے قدم، حوصلہ والا سینہ اور صبر و غنا والے قلب سے نوازے۔

تم نے حالیہ انتخابات کے متعلق نہایت درد بھرے انداز میں اپنے خط میں ذکر کیا ہے اور اسے سرمایے کا کھیل قرار دیا ہے۔ تم نے خوب کہا کہ بعض سرمایہ داروں نے اسے انڈسٹری بنا دیا ہے۔ اس سے تم بہت دل گرفتہ ہو اور محسوس کرتے ہو کہ اس طرح ہماری قومی زندگی سرمایہ داروں کے حوالے ہو گئی ہے اور غریب آدمی کے لیے قومی زندگی میں کوئی کردار ادا کرنا ممکن نہیں رہا۔ تم نے بہت مایوسی کی باتیں کی ہیں اور اپنی محنت پر سرمایے کا پانی پھر جانے سے بہت رنجیدہ ہو۔

میرے عزیز بھائی، اگر تم نے اپنا پسینہ اللہ کی راہ میں بہایا تھا تو تم مطمئن رہو کہ جس کا کام تم نے کیا ہے اور جس کے بندوں کو صحیح راستہ دکھانے کی تم نے کوشش کی ہے وہ تمہاری اس محنت کو دیکھ رہا ہے اور اس کا بہترین اجر دینے پر قادر ہے حقیقت یہ ہے کہ قدرت کی اسکیم سے بندہ خاکی آگاہ نہیں ہوتا اور اپنے جذبوں کی بے تابی سے پریشان ہوتا رہتا ہے۔ غالب نے خوب کہا تھا۔

ے عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

میرے پیارے دوست، تم فی الحال اپنا دل اللہ کے رنگ میں رنگ لو تمہیں صبر اور قرار آجائےگا۔ جس نظامِ باطل کے خلاف ہم جنگ آزما ہیں اس کے لیے عصائے کلیمی مطلوب ہے۔ ہم میدانِ جنگ میں ہیں اور ہم اس کے تقاضوں کو پورا کرنے پر مامور ہیں۔ سنتِ ابراہیمی یہی ہے کہ نارِ نمرود میں بے خطر کود جاتے اس لیے کہ یہ اس کے چٹختے شعلوں کے درمیان ہی گلزارِ ابراہیم کلیاں اور پھول مسکرایا کرتے ہیں۔ اللہ کے لیے کام کرنے کے بعد تم نے اطمینانِ قلب کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے غم واندوہ کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ غم واندوہ مومن کے دامن کی گرد نہیں ہیں۔ یہ ابلیس کے چہرے کا غبار ہے۔ اس سے بچو اور راہ حق کے کانٹوں پر مسکراتے ہوئے چلو۔

پیارے بھائی! اللہ کا بھیجا ہوا دین جب میدانِ کارزار گرم کرتا ہے تو انسان کو غاروں سے کھینچ کر بدر وحنین میں لے آتا ہے اور تم ہو کر مشاہدۂ حق کی جستجو میں معرکے کی زندگی سے گھبراتے ہو جو عین مقامِ مشاہدۂ حق ہے۔ اب انتخابات کے نتائج کے صدمہ کا اظہار تو کر رہے ہو لیکن اللہ کی راہ میں خاک پھانکنے، طعنے سہنے، بدی سے کشمکش کرنے اور کلمۂ حق کو ہر گلی کوچے میں برملا کہہ کر خلقِ خدا کی طرف سے بری الذمہ ہو جانے کی لذت سے تم کیوں انکار کرتے ہو۔ یاد رکھو کہ میدانِ احد میں حمزہؓ کے سینے پر نیزوں کے زخموں کے پھول انسانیت کے لیے زیادہ بڑا طرۂ امتیاز ہیں جن کی مہک ازل تا ابد ہے۔ چھوڑو اب غم واندوہ کو اور میدانِ عمل میں آؤ۔ جو خلقِ خدا ہر لالچ سے بے نیاز ہو کر تمہاری طرف گامزن ہوتی ہے وہی انسانیت کا جوہر اور تمہارا قیمتی سرمایہ ہے۔

تم نے انتخابات کے نتائج کے بارے میں بڑے اندیشہ ہائے دور و دراز کا اظہار کیا ہے، لیکن میرا معاملہ تم جانتے ہو اس کیفیت سے مختلف ہے۔ میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ قدرت نے اس دنیا کا نظام جس اصول پر مرتب کیا ہے اس میں قیامت برپا ہونے سے پہلے تک ہر رات کے بعد دن طلوع ہوگا۔ ہر تاریکی کے بعد اجالا نمودار ہوگا۔ ہر غم کے بعد مسرت کی کرنیں پھوٹیں گی۔ ہر خزاں کے بعد بہار کا موسم آئے گا اور رات کو مستقل روک رکھنے، تاریکی کے قیام کو پائیدار بنانے، آلام کو قائم رکھنے اور خزاں کو دنیا کا دائمی موسم بنا دینے کی ہر کوشش ناکام ہوتی رہے گی۔

عزیزم! تم نے ملک کے نظریے کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا ہے لیکن تم نے یہ نہیں

کہ ملک کا نظریہ اس ملک کی پیدائش سے بہت پہلے وجود میں آیا تھا۔ پھر اسی نظریے کے لیے ملک وجود میں لایا گیا۔ وہ نظریہ اس ملک کی پہچان ہے۔ جو شخص اس ملک کی جان نکال دینا چاہتا ہو، وہی اس کے نظریے کو اس ملک میں سے خارج کرنے کی کوشش کرے گا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ نظریہ کبھی خارج نہ ہو گا البتہ مشیت خود ایسے ناپاک لوگوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے گی۔ دُنیا کے ممالک میں عوام آخری اتھارٹی ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں تو خدا کی حاکمیت کو آخری اتھارٹی تسلیم کیا گیا وہی اپنے آخری اختیارات اس کے تحفظ و بقا کے لیے استعمال کرے گا۔ کوئی سازش اس ملک کے خلاف اندر یا باہر سے کامیاب نہ ہو سکے گی۔

میرے عزیز! راہِ حق میں جدوجہد کرنے کے سلسلے میں تم نے اپنے خط میں نبیوں کی سنّت کی بات بھی کی ہے۔ میں کہتا ہوں نبیوں کی سنّت پہ چلنے کے لیے تلوار کی دھار پہ چل کر نیزے کی نوک پر بسیرا کرنا پڑتا ہے۔ ہر چہار طرف سے باطل کی بوم گالیاں دے رہے ہوں اور پھر بھی صبر مومن کے منہ کی لگام بنا رہے۔ ہر طرف سے جھوٹ لڑھکایا جائے اور حق گوئی اس کا طرۂ امتیاز رہے۔ ہر طرف سے آوازے کسے جائیں اور استقامت مومن کے قدموں کا جوتا ہو۔ ہر طرف سے اس کی عزت و آبرو پہ حملے ہوں اور مومن اپنی ساری عزت اللہ کی بندگی میں ہی تلاش کرتا رہے۔ اس کے لب کھلیں تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور لوگوں کی خیرخواہی کے لیے کھلیں۔ یہ سنّتِ انبیاء پر چلنے کا طریقہ ہے اور تحریک اسلامی کے لوگوں کو یہی طریقہ زیب دیتا ہے۔

تم نے لکھا ہے کہ پاکستان کے قیام اور قائداعظم کی وفات کے بعد کوئی ایک لیڈر بھی قومی سطح کا تیار نہ ہوا۔ تم جانتے ہو کہ قائداعظم اسلام کو نظام زندگی اور مسلمانوں کے لیے اس نظام کے مطابق ایک آزاد وطن کے نظریہ کے سبب ملت گیر مقبولیت کا ذریعہ بنے تھے۔ اب بھی جو جو لیڈر علاقائی بات کرے گا کبھی ملی معیار پر پورا نہ اترے گا۔ ملی نظریہ ہی بڑا لیڈر پیدا کرے گا، اور ہمارا ملی نظریہ صرف اسلام ہے۔

میرے دوست! تم نے ٹھیک کہا ہے کہ ہمارے ملک میں نظریاتی بحران اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا سبب ہمارے اہلِ ثروت سرمایہ دار طبقے کی غیر ملی روش بھی ہے۔ ساری قوموں میں یہ طبقہ رفاہ عامہ، خدمتِ خلق، تعلیمی ادارے، طبی امدادی سنٹر، تعلیمی وظائف، بڑے بڑے

ہسپتال اور دیگر بہت سے رفاہی کام سر انجام دیتا ہے لیکن ہمارے ہاں ایسے ایسے رفاہی کام کرنے کی توفیق کبھی نہیں ہوتی۔ غیر قوموں میں تو سرمایہ دار لوگ دودھ دینے والے جانور ہوتے ہیں کہ انہیں بھرپور چارہ کھلایا جائے تو بھرپور دودھ دیا کرتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے اہل ثروت ایسے مویشی ہوتے ہیں جو چارہ تو بھرپور کھاتے ہیں۔ لیکن دودھ کی ایک بوند بھی اپنے معاشرے کی طرف نہیں لوٹاتے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مویشیوں کو لوگ قصابوں کے حوالے کر دیا کرتے ہیں۔ آخر بے فیض افراد سے کسی کو کیا ہمدردی ہوا کرتی ہے۔ ایک وقت آئے گا جب قوم ان کو ان کے سرمایے سمیت ہضم کر جائے گی۔ ان کا علاج ملک میں اسلام کے اقتصادی نظام کا اجرا ہے، جس سے یہ لوگ خوف زدہ ہیں۔ تم نے سچ کہا ہے کہ جب تک ہمارے معاشرے میں سے باطل، حرام اور مجرمانہ ذرائع سے مال جمع کرنے والا سرمایہ دار نچوڑا نہ جائے گا اس وقت تک معاشرہ پنپ نہ سکے گا۔ لیکن اس کو نچوڑنے کے لیے انٹر کانٹی نینٹل کے شہزادے کام نہ دیں گے، اس کے لیے تیشہ فرہاد بھی کام نہ دے گا، اس کے لیے نانِ جویں کھا کر بازوئے حیدر رکھنے والے سیدھے سادے مسلمان کارکن ہی کام دیں گے۔

ڈاکٹر ویلفرڈ اسمتھ نے لکھا تھا کہ اسلام کا چودہ سو سالہ قدیم تصور اس جدید دور میں نافذ کرنے کا دعویٰ پاکستان کے مسلمانوں نے کیا ہے، یہ بات محل نظر ہے کہ وہ ایسا کر بھی سکیں گے۔ اگر وہ کر گئے تو یہ بات دورِ جدید میں اسلام کی عملیت اور حقانیت کے لیے درخشاں دلیل ہوگی۔ اور اگر نہ کر سکے تو پھر انہیں یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام اس جدید دور میں قابلِ عمل نہیں ہے اور ان کا یہ دعویٰ کہ اسلام اس دور میں بھی قابلِ عمل ہے، محل نظر ہے۔ یہ بات کہہ کر کافر عالم نے پاکستان کے مسلمانوں کو آزمائش کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ کافر دنیا اب پاکستان کے مسلمانوں کے طرزِ عمل سے اسلام کی عملیت اور حقانیت کو جانچے گی، اس لیے کہ پاکستان کے مسلمانوں نے جو دعویٰ کیا تھا وہ ساری دنیا میں منفرد تھا یعنی اسلامی نظامِ حیات کا نفاذ و قیام۔ اگر ہم نے یہ کام نہ کیا تو خدا و خلق کے سامنے ہم وعدہ خلاف شمار ہوں گے۔

عزیزم! تم کہتے ہو کہ یہ قوم اسلام سے بھاگی ہوئی قوم ہے اسلام سے خوف زدہ ہے لیکن میں اس پختہ اور ناقابلِ شکست یقین سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ اسلامی نظام

یقیناً اور لازماً آ کر رہے گا۔ دُنیا کی کوئی مادی قوت اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ وہ اپنی آمد کے لیے کسی کا محتاج نہیں ہے اس لیے کہ یہ اللہ کا دین ہے، برحق ہے، اس کا حق ہے کہ نافذ و قائم ہو۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک زمانے میں خلافتِ علی منہاج النبوت کا دور پھر آئے گا اس لیے کہ یہ ملک پاکستان اپنے قیام سے بھی پہلے اسی مقصد عظیم کے نام پر جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ خارجی اور داخلی سطح پر دشمنوں کی بدترین کارگزاری کے باوجود یہ ملک تباہی سے بچا چلا آ رہا ہے۔ اس لیے کہ اس ملک میں ایک فعال اور منظم تحریک اسلامی موجود ہے، جو اسلامی نظامِ حیات کے مختلف گوشوں پر فکری اور عملی کام اور افراد کی ایک مؤثر ٹیم تیار کر چکی ہے۔

اور اس لیے بھی کہ یہ دُنیا رام لیلا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض تفریحِ طبع کے لیے کوئی خطہ تشکیل دیا ہو، جسے چند دنوں کے کھیل کے بعد تہس نہس کر دینا مقصود ہو۔ یہ دُنیا تو حکیم و علیم و بصیر و مدبّر و مقتدر کی دُنیا ہے جس کا کوئی کام عبث نہیں ہے۔ اس لیے میرے دوست میرے اس یقین کو کوئی مادی قوت نہیں توڑ سکتی کہ اسلامی نظام تو لازماً قائم ہو کر رہے گا چاہے اس کے دشمنوں کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ بلاشبہ رکاوٹیں بے شمار ہیں۔ لیکن جس کا یہ دین ہے وہ تو لکڑی کے عصا کی ضرب سے قلزم چیرتا اور پتھروں کا سینہ چیر کر پانی بہا دیتا ہے، وہ تو انگلی کے اشاروں سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیتا اور مُردوں کو قبروں سے نکال کر زندہ کر دیتا ہے، پھر اُس کی قدرت سے کیا بعید ہے۔ اسے تو یہ بات پسند ہے کہ اس کے بندے اس کا کام کریں اور اس کے مزدور بن کر رہیں لیکن اُسے یہ پسند نہیں ہے کہ اس کے بندے اِس گمان میں مبتلا ہوں کہ ان کے زورِ بازو اور جدوجہد پر ہی دین کا قیام منحصر ہے اس لیے وہ ہمارے اعترافِ عجز اور خودسپردگی کے بعد خود ہی آگے بڑھ کر زمانے کے اس مشکل کشا نظام کی باگیں اس سرزمین کی طرف موڑ دے گا اور فرشتے اس کے ہم رکاب ہوں گے۔ اس لیے میں تو اب یہ نہیں کہتا کہ آؤ اپنے آقا کی مزدوری کریں ہم تو اس کے کھیت کے مزدور ہیں اور اس کی مزدوری کرنا ہمارا فریضۂ بندگی ہے جو دانے کو پھاڑ کر اس میں سے درخت نکالتا ہے اور مُردے انڈے کو پھاڑ کر اس میں سے چہچہاتا ہوا بچہ نکال لاتا ہے۔ ہم تو اسی کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔ پورے

عجز و خاکساری سے دستک دیتے ہیں اس بارگاہ عالی پر فقیر بے نوا کی حیثیت سے اس یقین کے ساتھ اس دروازے سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں گیا ہے" ہم تو قافلہ بناتے اس کے رہ گزار میں پڑے ہیں۔ یقین ہے کہ وہ آئے گا اور اپنی حدی کے زور سے منزل تک پہنچا دے گا۔

اس لیے میرے بھائی اب گوشے کھدرے سے نکلو، اپنے گوشۂ عافیت کو چھوڑو اور میدان جد و جہد میں آؤ۔ مشاہدۂ حق اندھیری کوٹھڑیوں میں نہیں ہوتا، بلکہ جب راہ حق میں جد و جہد کی جائے، پسینہ سر سے چوٹی تک بہہ جائے اور باطل اپنا شکنجہ لے کر دوڑے اور بندۂ حق پھر بھی اپنے راستے پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے تو مشاہدہ حق ہو کر رہتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کٹھن منزل پر ایک قدم رکھنا بھی مشاہدہ حق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ع یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

میرے عزیز بھائی آخری یہ بات کہہ کر یہ طویل مکتوب ختم کرتا ہوں کہ تم نے ان انتخابات میں دیکھ لیا کہ تحریک اسلامی کس طرح ہر چہار طرف سے آگے بڑھتی چلی آرہی ہے وہ مسلسل آگے بڑھ رہی ہے۔ تم فلاں نشست اور فلاں نشست کی بات چھوڑو۔ تم اسلامی تحریک کی مجموعی پیش قدمی کا منظر دیکھو۔ آج ملک میں کوئی ایسا جمہوری ادارہ نہیں ہے جس میں تحریک اسلامی کی آواز بلند نہ ہو رہی ہو اور تحریک اسلامی کے کارکن وہاں پہنچ نہ چکے ہوں۔ پس یہ پیش قدمی جاری رہے گی۔ یہاں تک کہ پورا معاشرہ اور اس کے ادارے اس کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ اس دن کا ہم سب کو انتظار ہے اور وہ دن دور بھی نہیں ہے۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

رسائل و مسائل

مسئلہ عہد نامہ

از شیخ الحدیث مولانا عبد المالک - شعبہ استفسارات - مرکز معارف اسلامی۔ منصورہ

سوال: بہت عرصہ سے ایک سوال جواب طلب ہے۔ آپ کسی کے ذریعے اگر ہمیں اس کا جواب دے دیں تو ہم آپ کے مشکور ہوں گے۔ ایک عہد نامہ ارسال خدمت ہے۔ اس میں جو احادیث دی ہوئی ہیں ان کی کیا حیثیت ہے۔ کہاں تک مستند ہیں اور اس عہد نامہ کو کس وجہ سے ۔۔۔ کن نظریات کے حامل افراد نے اس قدر عام کر دیا کہ ملک کی اکثر آبادی نماز سے زیادہ اسے ترجیح دینے لگی ہے۔ قبروں میں رکھنا ضروری سمجھتی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ ضرور اس سلسلے میں ہماری مدد کریں گے۔

جواب: مجاہد کمپنی اردو بازار لاہور کے مطبوعہ عہد نامے کے سلسلے میں آپ کا استفسار مدیر ایشیا چوہدری غلام جیلانی صاحب کے ذریعے ملا۔ جواباً عرض ہے کہ اس عہد نامہ کا مضمون کتاب و سنت کے مطابق ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے انسانوں سے اپنی بندگی کا عہد لیا ہے اور قیامت کے روز بھی انسانوں سے پوچھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے عہد کا انہوں نے ایفا کیا یا نہیں۔ اور مطبوعہ عہد نامے میں بندگیٔ رب کے اسی عہد کو یاد کیا جاتا ہے اور قرآنِ پاک میں اس عہد کا جگہ جگہ ذکر ہے۔ سورہ یٰسین میں ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۔ (یٰس - ۶۰)

(اے بنی آدم میں نے تم سے کہہ نہ دیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا۔)

اس عہد کو ایفا کرنے کی صورت ایمان اور عملِ صالح کو قرار دیا گیا ہے اور قرآن پاک میں جگہ جگہ ایمان و عملِ صالح پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

"بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (البقرۃ - ۱۱۲)

(کیوں نہیں؟ جس نے اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کر دیا در آں حالیکہ وہ نیک سیرت تھا تو اس کے لیے اس کے رب کے ہاں اس کا اجر ہے۔ اور ایسے لوگوں پر کوئی خوف اور غم نہیں۔)

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا" (الکہف - ۱۰۷)

(یقیناً جن لوگوں نے ایمان لایا اور عملِ صالح کیے ان کے لیے فردوس کی جنتوں میں مہمانی ہوگی)۔

سورۃ العصر میں ہے:

"وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" (العصر، ۱ تا ۳)

(قسم ہے زمانے کی، تمام انسان خسارے میں ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی)۔

سورۃ مریم میں ہے:

"لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا" (مریم ۸۷)

(اس وقت لوگ سفارش لانے پر قادر نہ ہوں گے بجز اس کے جس نے رحمٰن کے حضور سے پروانہ حاصل کر لیا ہو)۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اس عہد سے توحید اور نبوت پر ایمان مراد ہے۔

"والتقدیر ان هؤلاء لا یستحقون ان یشفع لهم غیرهم الا اذا کانوا قد اتخذوا عند الرحمٰن عهداً التوحید والنبوة" (تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۲۵۳)

(ان لوگوں کی اس وقت تک سفارش نہ ہو سکے گی جب تک توحید اور نبوت پر ایمان کے ذریعے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استحقاقِ سفارش کا عہد نہ حاصل کر لیا ہو)۔

اس کے بعد انہوں نے مرسلہ عہد نامہ کی عبارت بطور وضاحت نقل کی ہے۔ اسی طرح علامہ قرطبی نے عہد کی تفسیر یوں کی ہے:

"وهو لفظ جامع الایمان وجمیع الاعمال الصالحة التی یصل بها صاحبها حیز من یشفع"۔

(تفسیر قرطبی ج ۱۱ - ص ۱۵۴)

(یہ لفظ ایمان اور تمام اعمال صالحہ کے لیے جامع ہے جس کے ذریعے ایک شخص اس مقام تک پہنچتا ہے کہ اس کی شفاعت کی جائے (یا وہ شفاعت کرے)۔

اس کے بعد اس عہد نامے کی عبارت نقل کی گئی ہے۔

اس عہد نامے کے مضمون سے بھی مذکورہ آیاتِ قرآنی کی طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنت کا عہد ایسے ہی شخص سے ہے جس کے اندر یہ صفات پائی جاتی ہوں جن کا عہد نامے میں ذکر ہے۔

رہی یہ بات کہ کسی شخص میں یہ صفات تو نہ پائی جاتی ہوں لیکن وہ اس عہد نامے کا ورد کرتا ہو یا اُسے قبر میں اپنے سرہانے یا قبلے کی جانب رکھوا دے تو خطرہ ہے کہ یہ اس کی مغفرت کا موجب ہونے کے بجائے اُلٹا اُس کے عذاب کا موجب ہوگا۔ اس لیے کہ وہ ایک بات کو زبان سے تو ادا کرتا رہا لیکن اس کے مطابق اس نے عمل نہ کیا۔ لیکن وہ شخص جس نے اس عہد نامے کے مطابق اپنی زندگی گزاری اس پر اللہ تعالیٰ ضرور فضل فرمائے گا۔ اگرچہ وہ اس کا ورد نہ بھی کرتا

رہا ہو اور نہ ہی قبر میں اپنے ساتھ اس طرح کی کسی چیز کو رکھوایا ہو۔ نیز قبر میں مطبوعہ عہد نامے کے ساتھ اسے رکھوانے کی جو روایات نقل کی گئی ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی "الرد المختار" میں لکھتے ہیں:

"فالمنع ھھنا اولی ما لم یثبت عن المجتھد او ینقل فیه حدیث ثابت"۔

(یہاں بدرجہ اولیٰ منع ہے جب تک کہ کسی مجتہد سے اس کا ثبوت نہ ملے یا کوئی صحیح حدیث اس کے بارے میں نہ پیش کر دی جائے۔)

(الرد المختار جلد ۲ ص ۲۴۶)

یعنی نہ کسی مجتہد سے ثابت ہے اور نہ ہی اس بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد ہوئی ہے۔ مطبوعہ پمفلٹ میں اس عہد نامے کو کفن پہ لکھنے کے بارے میں جو اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ علامہ شامی نے ان کی تردید کی ہے۔ لیکن یہ بات بڑی عجیب و غریب ہے کہ انہی علامہ شامی ہی کے حوالہ سے یہ بات لکھی گئی ہے کہ اس کا کفن وغیرہ پر لکھنا جائز ہے۔ جو صراحۃً غلط بیانی اور دھوکہ دہی ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے بارے میں اس سے زیادہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرمائے۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں۔ ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔ (ادارہ)

(بقیہ اشارات)

اسلام یا پاکستان یا اُردو زبان[1] یا تعلیم[2] یا معاش کے لیے آپ کوئی ایسا وزنی کام کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جس کے لیے یہ دیوار مزاحمت راضی نہ ہو۔ اس دیوار سے سر پھوڑے جا سکتے ہیں یا اس سے چمٹ کر آنسو بہائے جا سکتے ہیں، مگر یہ دیوار ایسے پتھروں سے بنی ہے جن کے بڑے ٹکڑے ٹوٹ کر گرتے ہیں اور نہ پانی کی دھاریں بہہ سکتی ہیں۔

دورِ غلامی کی یہ یادگار دیوار جن عناصر سے مرکب ہے، ان میں ایک (افراد سے قطع نظر) جاگیرداری اور بڑی زمینداریاں ہیں، دوسرے جرائم پیشہ گروہ اور قبیلے ہیں اور ان کا نظامِ رسہ گیری ہے، تیسرے اس محفل میں کچھ نشستیں پیرانِ عظام اور مولویان کرام کی بھی ہوتی ہیں، چوتھے علاقہ بہ علاقہ کام کرنے والے مختلف محکموں کے افسران کی اکثریت ہوتی ہے، پانچویں نمبر پہ اُونچی سطح کی بیوروکریسی کے اساطین ہوتے ہیں۔ پھر وقتی طور پر اس میں صاحبِ سعادت وزراء اور سیکرٹری صاحبان بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ بہت سے تاجروں، صنعت کاروں اور بنک کاروں کو بھی کچھ نہ کچھ گٹھ جوڑ ادھر رکھنا پڑتا ہے۔ ادب و صحافت میں بھی ان کا اثر رہتا ہے ـــ

---

[1] مقتدرہ قومی زبان اپنی جگہ بڑی اتھارٹی ہے اور ضیاء الحق صاحب بڑی بڑی اہم تقریریں اُردو میں کر چکے ہیں، اس طرح بڑا کام ہو رہا ہے ـــ مگر اُردو کی اصل حیثیت ابھی تک یہی ہے کہ وہ مہارانی انگریزی صاحبہ کے پیچھے کھڑی مورچھل جھل رہی ہے، کیونکہ ہماری فصیلِ مقدس نہیں مانتی۔

[2] تعلیم کے بارے میں آپ دیکھ لیجیے کہ برسوں سے اہلِ ایمان اور اربابِ دانش برابر چیخ رہے ہیں، مولانا مودودیؒ تھے یا ڈاکٹر عبداللہ ہیں، نوائے وقت کے اداریے ہوں یا حیات کے لوٹ، قوم کی حقیقی پکار سب نے یکساں بلند کی اور ان کے ساتھ تنظیموں نے زور لگائے۔ مگر دہرے نظامِ تعلیم سے نجات نہیں مل رہی اور ملک میں مسلسل دو طبقے نشوونما پاتے جا رہے ہیں۔ مگر اس فصیلِ قدیم کا تقاضا یہ ہے کہ انگریزی راج کرے گی۔

سنگِ خارا کی یہ فصیل جس پر قرنہا قرن کی کائی جمی ہے اور اس کائی کی پرورش انسانی خون سے ہوتی رہی ہے، اس کے گول دائرے کی حیثیت ایک زنداں خانے کی ہے۔ اس زنداں خانے میں یہ زندہ فصیل جب چاہے مارشل لا لگوا دیتی ہے، جب چاہے جمہوریت کا ڈرامہ رچا دیتی ہے اور جب چاہے جمہوریت کا دیوالہ نکلوا دیتی ہے۔ یہ جب تک چاہے کچھ لوگ وزیر اور سیکرٹری اور مشیر بنتے ہیں اور ممبران اس کے دائرے کے اندر خاصی طوفانی تقریریں بھی کر لیتے ہیں، مگر کسی عہدہ دار کا حکم، کسی مارشل لا کا فرمان اور کسی ممبر کی آتشیں تقریر اس فصیل کو ذرا سا ضرر بھی نہیں پہنچا سکتی۔ ورنہ جو اس حد سے گذرا وہ گیا۔ قانون پاس ہوتے ہیں، موشن پیش ہوتے ہیں۔ پوائنٹ آف آرڈر اٹھائے جاتے ہیں۔ استحقاق کے لیے بڑا ہی شور مچتا ہے، مگر یہ زندہ فصیل اس سارے ہنگامے سے اس طرح لطف لیتی ہے جیسے اہلِ ذوق مشاعرے سے۔

میں نے برسوں اسلامی انقلاب کے نظریے کی روشنی میں حالات کا خاموشی سے مطالعہ کیا اور برسوں غور کرتا رہا اور یہ سوچتا رہا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ قوم کی اکثریت جو کچھ چاہتی ہے وہ نہیں ہوتا۔ اور جس بات سے وہ نفرت کرتی ہے وہ ہو جاتی ہے۔ لوگ اس قسم کے بار بار کے تجربات پر جلتے کڑھتے ہیں، اضطراب سے دوچار ہوتے ہیں، کبھی جمود ان پر طاری ہونے لگتا ہے، کبھی مایوسی چھا جاتی ہے۔ کبھی کوئی فرد اپنے نصب العین کی شاخ سے اکھڑ کر کسی زرد پتے کی طرح ہوا میں اڑ جاتا ہے اور کبھی کوئی گروہ ذہنی گرداب میں پڑ جاتا ہے، پھر مذہب دار لوگ طرح طرح کے نظریے گھڑتے ہیں، حالانکہ ان میں نہ اصل مرض کا کوئی علاج کر سکتا ہے اور نہ اصل مرض کو کسی نے جانا ہوتا ہے۔ اُلٹا جوں جوں الٹی سیدھی دوائیں کی جاتی ہیں، مرض اور زور پکڑتا جاتا ہے۔

میں نے استدلال کے میدان میں بھی کام کیا، قلم سے بھی اور زبان سے بھی۔ طرح طرح کی مجالس اور ان کے انتشار انگیز تبادلۂ خیال دیکھے، اخباروں کے نئے نئے فورموں اور مذاکروں کی رودادیں پڑھیں۔ قوم کی بگڑی کے اصل راز کا کوئی پتا سراغ نہیں ملتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام گفتگوئیں اور تقریریں اور مقالات اصل حقیقت پر نئے نئے خوشنما پردے ڈالنے کی کوششیں ہیں اور پھر ساری بحثیں پردوں کے ساٹنوں اور رنگوں اور ان کی بناوٹوں پر جاری رہتی ہیں۔ ستم یہ ہے

کہ ہمارے فکری دائروں میں خود متذکرہ فصیل مقدس کے پتھر بھی شریک ہو جاتے ہیں اور اس فصیل کی ہر ذرہ ایک زبان بن جاتی ہے، یہاں تک کہ معاملہ اُلجھ جاتا ہے۔ ایک معاملہ اُلجھ چکتا ہے تو دوسرا فلسفہ چھیڑ دیا جاتا ہے، وہ جب نبگاڑ کو پہنچتا ہے تو تیسری بحث کی ڈور کھلنے لگتی ہے۔

میں اب بہ یقینی طور پر کہتا ہوں کہ استحصالی طبقوں کا یہ قدیم گٹھ جوڑ جس کی نیو برطانوی سامراج نے رکھی تھی، اس نے نہ تشکیلِ پاکستان سے کوئی اثر لیا، نہ فلسفۂ اقبال اور سیاستِ قائداعظم اور نہ حکمتِ سیّد مودودیؒ کے ذریعے ماحول میں برپا ہونے والے مدوجزر اس پر اثر انداز ہو سکے[۱]۔ آزاد روح رکھنے والی کسی قوم میں ایسی تین شخصیتوں نے تین مختلف پہلوؤں سے اگر اپنی خاص نوعیت کا کام کیا ہوتا تو وہ چند برس میں زمین سے اٹھ کر کہکشاں پر پہنچ جاتی۔ ہمارے سامنے جاپان اعضا بریدہ ہو کر گرا اور آج وہ نئے اعضا اور نئی زندگی کے ساتھ اوّل درجے کی قوموں کی سیاست و معیشت کو چیلنج کر رہا ہے۔ ہمارے سامنے جرمنی کے پرخچے اُڑائے گئے تھے اور کوئی تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ اس تباہ شدہ سرزمین کے کچلے ہوئے انسان زندگی کا کوئی شاندار منظر دکھائیں گے مگر دیکھ لیجیے کہ چالیس برس میں معاملہ کہاں پہنچا۔ ہم تو استحصالیوں کی قدیم فصیل کے قیدی تھے اور پہلے یہ فصیل انگریزوں کی نگرانی میں تھی، بعد میں اسلامی ریاست پاکستان نے اسے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا، بلکہ سچ پوچھیے تو اس فصیل نے پاکستان کو اپنی گود میں سمیٹ رکھا ہے۔

اور میں کہتا ہوں کہ ظلم سے حاصل کردہ کمائیوں اور جرائم سے بہم کردہ قوتوں اور سازشوں کے ذریعے تیار کردہ بندھنوں اور عہدہ و جاہ کے دباؤ سے خوئے غلامی پیدا کرنے والے

---

[۱] صحت مند دل و دماغ رکھنے والے افراد نے ان میں سے ہر ایک سے اپنی اپنی بساط کے مطابق اثر لیا اور ایمان و ضمیر کی شاندار مثالیں پیدا ہوئیں اور آگے کے لیے یہی سرمایہ اُمید ہیں۔ مگر اجتماعیت استحصالی فصیل کے دائرے سے نہ کبھی اِدھر اُدھر ہو سکی اور نہ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ بنا سکی۔

شاطروں کے اس استحصالی زندان خانے کے قائم رہنے کی حالت میں بڑے پیمانے کے کسی خیر کی اُمید نہیں کی جاسکتی — چاہے تسلط مارشل لا کا ہو یا ڈھانچہ جمہوریت کا۔ یہ فصیل مردم خور ہے، اسے انسانی خون کا چسکا لگا ہوا ہے، اس کے سائے میں ہماری ہزاروں بچیوں کی عصمتیں تاراج ہوتی ہیں۔ اس کی حدود کے اندر لاکھوں مائیں چیختی اور بچے تڑپتے ہیں اور اغوا اور بیوگی اور یتیمی اور خانہ ویرانی کے دردناک مناظر سامنے آتے ہیں۔

پس جس قوت کو اس فصیلِ گناہ اور اس دیوارِ ظلم اور اس قلعۂ غلامی کا شعور ہو جائے اس کے کرنے کا کام بڑا وسیع اور کٹھن اور طویل ہے۔

پبلک میں کیے جانے والے کاموں کا لمبا منصوبہ پیش کرنا اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔ اس کا خلاصہ تو یہی ہے کہ مذکورہ بالا شعور کو عام کیا جائے۔ قوم کے مستضعفین میں عزم و حوصلہ پیدا کیا جائے اور مستکبرین کے اندر احساس ذلت کو اُبھارا جائے۔

اس وقت میں پارلیمانی دائرے میں محبانِ اسلام (چاہے ان کا تعلق کسی بھی گروہ سے ہو) کو کام کرنے کے لیے چند ضروری خطوط سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں کرنے کے کام صرف یہ نہیں ہیں کہ روایتی انداز پر جو لکیریں پہلے سے کھنچی چلی آرہی ہیں، ان کی فقیری کی جائے، بلکہ ایوانوں کے اندر انقلابی فکر کی ایسی لہریں اُٹھائی جائیں جو چاہے فوری نتائج نہ دے سکیں۔ لیکن ایک تو قوم کے عامۃ الناس کے سامنے ایسی تبدیلیوں کی اُمید کی راہیں کھولیں جن سے ان کی زندگی انسانی شرف سے بہرہ مند ہو سکتی ہے۔ اور وہ ظلم اور استحصال کی چکیوں میں پسنے سے بچنے کے لیے کسی نہ کسی طرف راہ نجات نکلتی محسوس کریں۔

دوسری طرف عام لوگوں، خصوصاً تعلیم یافتہ گروہوں میں یہ مغالطہ مزید جاری نہ رہ سکے کہ نفاذِ شریعت بس ایک گول مول نظریہ ہے جس کا تفصیلی مفہوم آگے چل کے مختلف معاملات و مسائل پیش آنے پر واضح ہوتا رہے گا۔ ان کو شریعت کے اُصولوں سے اطلاقی اور انطباقی طریق سے آگاہ کرنا چاہیے کہ زندگی کے مسائل کیا ہیں اور شریعت کی رُو سے وہ کیسے حل ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلے کی چند تجاویز ــــــ

ا ـ سب سے پہلے اسلامی حلقوں کی طرف سے قانونِ انسدادِ جاگیرداری آنا چاہیے جس کے لیے ہمارے پچھلے منشور میں ایک واضح فیصلہ موجود ہے۔ خلاصہ یہ کہ جاگیرداریوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو ناجائز طور پر دی گئیں۔ دوسری وہ جو بعض خدمات کے لیے دی گئیں۔ مگر وہ حق الخدمت کئی گنا زیادہ ادا کر چکی ہیں۔ ان دونوں قسموں کی (یعنی تمام جاگیرداریوں) کو ختم کر دینا چاہیے۔ صرف ایسا گذارہ یونٹ مستثنیٰ رکھا جا سکتا ہے جو زرعی رقبے، چارے کی کاشت کے رقبے، مرغی خانے، مچھلی فارم، پولٹری فارم، ڈیری فارم، چراگاہ، شکارگاہ، مولیشی خانے، اپنی اور مزارعین اور ملازمین کی رہائش گاہوں، ٹیوب ویلوں یا ورکشاپ کے رقبوں سمیت زیادہ سے زیادہ (مثلاً) ایک صد ایکڑ آبپاش اور ڈیڑھ صد ایکڑ بارانی رقبے پر مشتمل ہو۔ چور دروازوں کو بند کرنے کے لیے یہ پابندی لگائی جا سکتی ہے کہ اصل آدمی کے علاوہ ایک جگہ اور ایک نظامِ کفالت میں رہنے اور رشتوں کی نسبتِ اُولیٰ رکھنے والے افراد کی مجموعی اراضی کسی حال میں اتنی نہیں ہونی چاہیے کہ فی کس گذارہ یونٹ (۱۲½ ایکڑ) سے زیادہ ہو۔

علاوہ ازیں پچھلی زرعی اصطلاحات میں جو ہیرا پھیری ہوئی ہے اس کی تحقیق کر کے ان رخنوں کو بند کرنے کا انتظام کیا جائے۔

اگلی تجاویز سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ مجلسِ شوریٰ جماعت اسلامی نے ۱۹۶۹ء میں ایک کمیٹی اپنے حلقے کے جید علما اور جدید ماہرینِ معاشیات پر مقرر کی تھی جس نے بیرونی اصحاب سے بھی سوالات کے جوابات طلب کیے تھے۔ پھر ایک رپورٹ تیار کی اور اس رپورٹ کو مولانا مودودیؒ کی صدارت میں پاس کیا گیا۔ یہ رپورٹ جن ۲۳ سوالوں کے جواب میں ادلۂ شرعیہ اور جدید معلومات کے ساتھ تیار کی گئی تھی۔ ان کا مرکزی مقصود یہ تھا کہ اگر کسی ملک کی معیشت عرصۂ دراز سے ظلم و ستم کے چکر سے ہوتی ہوئی ایسی لاینحل تفریق تک جا پہنچی ہو کہ محض زکوٰۃ و عشر سے مسئلہ حل نہ ہوتا ہو تو پھر کون سے خصوصی اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ نیز جدید دور کے ذرائع پیداوار اور مالیاتی اداروں اور طریق ہائے تنظیم نے دولت کی رفتارِ ارتکاز اتنی بڑھا دی ہے کہ اسے اعتدال کی حدود میں رکھنے کے لیے غیر معمولی اہتمام کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ شریعت کے نظام میں

ایسے غیر معمولی اہتمام کیا گیا ہیں؟ یہ کتاب کتابی شکل میں اسلامی حکمت معیشت کے نام سے (مرتبہ پروفیسر خورشید احمد و نعیم صدیقی) دستیاب ہے۔

اس رپورٹ کی رُو سے بعض ناجائز املاک کی ضبطی کے علاوہ دولت اور سرمایہ کی ملکیت اور استعمالات پر اسلام کے قانونِ تحدید اور قانونِ حجر کے اطلاق کے لیے خاص دلائل دیے گئے ہیں۔ اس میں طے کیا گیا ہے کہ مستقلاً قومی ملکیت کا نظریہ تو کسی صورت میں اپنایا نہیں جا سکتا لیکن کسی محدود مدت کے لیے ـــــ ایک سال یا دس سال یا صرف ایک مرتبہ کے لیے اور بعض صورتوں میں مستقلاً تحدید عاید کی جا سکتی ہے۔

اب چند باتیں اسی نظریہ تحدید کے تحت سامنے لاتی ہیں۔ ان کے تفصیلی دلائل تو آپ متذکرہ کتاب میں دیکھیں۔ بلاشبہ اختلاف کرنے والے اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن ظلم و استحصال کی فصیلِ گناہ کو توڑنے کے لیے پھر اور کوئی صورت نہیں۔ اگر کوئی صورت نہیں تو ہم اپنی کوتاہی کی وجہ سے سوشلزم کے لیے ایک دروازہ کھلا چھوڑ دیں گے۔

۲ ـــ قانون تحدید ملکیت اراضی۔

اس قانون کے ذریعے یہ طے کر دیا جانا چاہیے کہ کوئی بھی شخص پاکستان میں زیادہ سے زیادہ (مثلاً ایک صد ایکڑ آبپاشی یا ۱/۲ ۱ صد ایکڑ بارانی رقبے کو ملکیت میں رکھ سکتا ہے[1]

چور دروازوں کو بند کرنے کا اہتمام ضروری ہے۔

ہر شخص کو آزاد بھی چھوڑا جا سکتا ہے کہ زائد زمین جس کے ہاتھ چاہے بیچ دے اور حکومت بھی اس شرط پر خریداری کر سکتی ہے کہ وہ کسی مقررہ وقت میں بالاقساط قیمت ادا کر دے گی۔

---

[1] کہا جا سکتا ہے کہ بڑے پیمانے پر مشینی کاشت کا فروغ رک جائے گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ متعدد مالکان مل کر مقدار اراضی کے حساب سے ایک وسیع قطعۂ کاشت میں سرمایہ، کام اور حاصل کے حصہ دار بن جائیں۔ ایسی پرائیویٹ پبلک لمیٹڈ فرمیں قائم ہو سکتی ہیں جو اہلِ سرمایہ سے سرمایہ بھی حاصل کریں اور عوام کو بھی حصص خریدنے کا موقع دیں۔

حکومت آگے یہ انتظام کر سکتی ہے کہ وہ ½ ۱۲ ایکڑ کے گذارہ یونٹ غیر مالک کاشت کاروں کے ہاتھ آسان شرائط پر فروخت کر دے۔

زرعی اراضی کا کم سے کم ملکیتی یونٹ ½ ۱۲ ایکڑ رہنا چاہیے اور وراثت کے قانون کے تحت اس کی تقسیم صرف اس شکل میں محدود کر دی جائے کہ اس کی قیمت کے لحاظ سے اس کے مالیاتی حصص کا اندراج نئے ناموں پر ہو سکتا ہے جن میں آمد و خرچ (و محنت کا معاوضہ) تقسیم ہو جاتے۔ لیکن یہ صورت چونکہ معاشی مشکلات پیدا کرے گی اس لیے کوئی شخص مکان لے لے اور کوئی زرعی اراضی کا یونٹ، یا یہ کہ کوئی فریق اس یونٹ کی قیمت ادا کر دے۔

۳ — اسی طرح قانونِ تحدید املاک کے تحت بعض پابندیاں عاید کی جا سکتی ہیں، مثلاً:

— کوئی ایک شخص پاکستان بھر میں ۲ سے زیادہ مسکنی یا کمائے پر چلانے کی تجارتی عمارت نہیں رکھ سکتا۔

— کوئی شخص ایک سے زیادہ آٹو موبائیل نہیں رکھ سکتا اور نہ کسی یک جائی رہائش کے گھر میں دو سے زیادہ مشینی گاڑیاں ہو سکتی ہیں۔

— کوئی شخص مکان کے ہوتے ہوئے اور مکان کے نہ ہوتے ہوئے ایک مقررہ تعداد (مثلاً ۱ یا ۲) سے زیادہ سادہ پلاٹ کا مالک نہیں ہو سکتا۔

— کوئی شخص قیمتی آسائشی مشینوں — اے سی، ٹیلی وژن، واٹر کولر، فریج، کپڑے دھونے کی مشین — بجلی کی صفائی مشین وغیرہ میں سے دو سے زیادہ اشیاء استعمال میں نہیں رکھ سکتا۔ نیز آئندہ کے لیے کم سے کم دس سال تک ان کی درآمد روک دی جائے۔

— دس سال کے لیے ان تمام اشیا کی بھی درآمد قطعی بند کر دی جائے جو مناسب معیار کے ساتھ پاکستان میں تیار ہوتی ہیں۔ (البتہ قیمتوں پر کڑی نظر رکھی جائے)۔

— ایسی تمام اشیا کی درآمد بند کر دی جائے جو خالص آرائشی (جسم یا گھر کے لیے) ضرورت سے استعمال ہوتی ہیں۔ خصوصاً میک اپ کا مہنگا سامان درآمد کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

— دس سال کے لیے کاروں کی درآمد یکسر بند کر دی جائے، صرف ٹیکسی کے طور پر چلائی جانے والی گاڑیوں یا بسوں کے علاوہ باربرداری کے لیے ٹرک اور زراعت کے لیے ٹریکٹر وغیرہ کی درآمد ایک ایسے متعین عرصے تک کی جائے جس کے دوران میں پاکستان اس ضرورت کو خود پورا کرنے لگے۔

— کسی بڑے شہر (کراچی، لاہور، اسلام آباد، راولپنڈی، پشاور، فیصل آباد ملتان وغیرہ) کے اردگرد کے دس میل کے رقبے میں منظور شدہ آبادیوں کے سوا اور کوئی آبادی نہیں بنائی جا سکتی۔ منظور شدہ رقبہ والے آبادی میں بھی زیادہ سے زیادہ پلاٹ دس مرلے کے ہونے چاہئیں۔

— بڑے شہروں کے ممنوعہ علاقے سے باہر بھی ۵ مرلے، ۱۰ مرلے یا ایک کنال کے پلاٹ مختلف یک جائی خاندانوں کے افراد کی تعداد کے لحاظ سے الاٹ کیے جائیں۔ سکنی ضرورت کے لیے ایک کنال سے زائد پلاٹ کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی۔

— ایک بڑی اور اہم تحدید یہ ہے کہ ایک ہی فرد دو سے زائد فرموں کا سربراہ اور چیف ڈائریکٹر یا مینیجنگ ڈائریکٹر اور چار سے زیادہ فرموں کا ممبر بورڈ آف ڈائریکٹرز نہیں ہو سکتا۔

اس سلسلے میں توجہ طلب امور اور بھی ہیں، مگر میرا مقصد یہاں صرف راستے کی نشاندہی کرنا ہے۔

۴ — قانون تحدید املاک۔

املاکِ سیاہ، اور ظلم اور رشوت اور دیگر حرام آمدنیوں کا جو ارتکاز نسل در نسل ہوتا چلا آ رہا ہے، اس کو توڑنے کے لیے صرف ایک بار دس سال کے لیے یہ طے کر دیا جائے کہ کوئی شخص اپنی بچتوں اور گھریلو دولت اور ساز و سامان اور مشینوں، عمارتوں اور زیورات وغیرہ سمیت جملہ ملکیت دس لاکھ سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔ جس کی فہرست ہر شخص کو حکومت کے پاس جمع کرانی لازم ہو اور کوئی تحقیقاتی کمیشن جب چاہے اسے طلب کر سکے۔

کاروبار میں لگا ہوا سرمایہ جو ذاتی استعمال میں نہ آئے (صنعت، تجارت، زراعت میں) اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

۵۔ قانونِ انسدادِ اسراف و تبذیر

تقاریب، دعوتوں، تفریحات وغیرہ کے سلسلے میں ایسی کڑی تحدیدات جن سے انحراف جرم ہو اور اس جرم کو قابلِ گرفت بنانے کے لیے ایسے متعدد طریقے بیک وقت اختیار کیے جائیں کہ غلط کار لوگ راہ فرار نہ پا سکیں۔ مواقعِ اسراف و تبذیر میں سرکاری ملازمین اور ان کے اہلِ خانہ کی شرکت ضابطۂ ملازمت کے تحت جرم ہونی چاہیے۔

۶۔ قانونِ انسدادِ منکرات و فواحش

ایسی تقاریب، ایسی مجالس، ایسے کھیل تماشے، ایسے ثقافتی مظاہرے، ایسی مخلوط تفریحات، ایسی تصاویر، ایسی تحریریں، ایسی تقریریں، ایسے کارٹون، ایسے فلم خلافِ قانون ہوں، جن میں کتاب و سنت کے واضح احکام، اسلامی تہذیب کے معروف اقدار اور مسلم معاشرے کے اخلاقی معیارات کے خلاف کوئی پہلو پایا جائے۔ ایسی کسی غلط سرگرمی میں بھی سرکاری ملازمین اور ان کے زیرِ کفالت لواحقین کی شرکت ممنوع ہو۔

۷۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کی نئی درجہ بندی کا قانون

ایران نے تنخواہوں کی نئی درجہ بندی ۱ : ۵ کی نسبت سے کی ہے۔ یہ نسبت اختیار کی جائے یا ۱ : ۷ یا ۱ : ۱۰ کی کی جائے۔ اگر سب سے اُوپر کی تنخواہ ۷ ہزار یا ۱۰ ہزار مقرر کی جائے تو سب سے نچلے درجے کے کارکنوں مثلاً معاون دفتر کو ایک ہزار یا ۱½ ہزار یا ۲ ہزار تنخواہ ملنی چاہیے۔

یہی تناسب تمام پبلک لمیٹڈ فرموں اور دس سے زیادہ ملازم یا مزدور رکھنے والے کارخانوں کے لیے لازم ٹھیرایا جاسکتا ہے۔ اگر وہ اوپر کے جنرل مینجروں، ڈائرکٹروں، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹوں اور بزنس ایڈمنسٹریٹروں کو زیادہ تنخواہیں دینا چاہیں تو وہ ۱ : ۷ کے معیار کے مطابق اوپر کی تنخواہ مقرر کر کے نیچے کی تنخواہ اس کے مطابق رکھیں۔

خاص طور سے کارخانوں کے مزدوروں کی اُجرتیں اور ان کے لیے سہولیات و مراعات معقول

معیاری کی ہونی چاہییں۔

اسی سلسلے میں زرعی مزدوروں اور مستقل مزارعوں کے لیے منصفانہ حقوق کا تعین ہونا چاہیے۔

۸۔ اس دور میں اسلامی قانونِ حجر کی تدوینِ نو ہونی چاہیے۔ قانونِ حجر کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی فرد یا فرم یا زرعی یا صنعتی یا تجارتی کاروبار کو چلاتے ہوئے آمدنی کو اسراف و تبذیر، گناہ، تعیشات، اعانتِ جرائم، مردم آزاری، رشوت دہی، سرکاری وزراء اور افسروں کو خریدنے کے لیے استعمال کرے، دولت کو بیرونِ ملک منتقل کرے یا اپنے کاروبار میں مزدوروں اور ملازمین کی مسلسل حق ماریاں کر کے صنعتی امن کو خراب کرے، یا اپنی غذائی یا دوائی یا دیگر مصنوعات کے ذریعے قومی صحت کی ضرر رسانی کا باعث بنے ـــــ تو ایسی صورت میں شکایت سامنے آنے پر ایک عدالتی ٹربیونل کی تحقیقات سے اگر ایسا کوئی جرم ثابت ہو جائے تو ایسے پورے کاروبار اس کے سرمایے اور اس کی جایداد کو ٹربیونل ۵، ۱۰ یا ۱۵ سال کے لیے کسی ایسی منظم و مضبوط ایجنسی کے حوالے کر دے جسے مختلف قسم کے کاروبار چلانے کے لیے حکومت نے متعین کیا ہو۔ زمانۂ حجر میں کاروبار کے مالکان دفتری، صنعتی یا حسابی ہر قسم کی سرگرمیوں سے بے تعلق رہیں گے۔ البتہ ان کو سالانہ حسابی رپورٹ (میزانیہ اور بجٹ) فراہم کی جائے گی اور ان کی حیثیت اور قوم کے مروجہ متوسط معیارات کے مطابق ان کو ایک وظیفہ کفالت دیا جاتا رہے گا۔

تا دیبی مدتِ پابندی کے ختم ہونے پر کاروبار مالکان کو واپس کر دیا جائے گا۔

اسلام کا قانونِ حجر بہت مضبوط رکاوٹ ہے کسی کاروبار کی آمدنی کو غلط طور پر استعمال کرنے اور محنت کاروں کے حقوق کو مسلسل پامال کرنے میں۔

یہ قوانین ابھی منظور ہوں یا نہ ہوں، لیکن ان کو باقاعدہ وضاحتی ابتدائیے (PREAMBLE) کے ساتھ دفعات وار قانونی زبان میں اگر مرتب کر کے ایوان کے سامنے لایا جائے، اس سلسلے میں ایسی تقریریں ہوں جو شرعی اور واقعاتی دلائل سامنے لائیں۔ اور ان پر جلسوں اور اخباری کالموں اور مذاکروں میں بحثیں ہوں تو آہستہ آہستہ وہ فضا بنائی جا سکتی ہے جس میں ایسے اقدامات ہو سکتے ہیں کہ فصیلِ استحصال کی کوئی سِل ٹوٹ گرے، اس میں کہیں دراڑیں پڑنے لگیں اور جوابلوا لھول اور

اہرام خوفناکی کے ساتھ کھڑے ہیں۔ وہ متزلزل ہونے لگیں - یہ کام آسان بھی نہیں اور جلدی کا بھی نہیں - یہ فصیل زندگی کی ساری قوتوں کے ساتھ حرکت میں آئے گی - ضرور آئے، مگر اسے معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے چیلنج کرنے والی قوت نمودار ہو چکی ہے -

عام لوگ بھی یہ سمجھیں گے کہ قصہ صرف نماز روزے ہی کا نہیں ہے اور جھگڑا محض چند سیٹوں اور ان کی اکثریت اور اقلیت کا نہیں ہے - اور مابہ النزاع صرف عہدے اور اختیارات نہیں ہیں، بلکہ تحریک احیائے اسلامی کے لوگ ایک نئی دنیا بنانے اٹھے ہیں -

---

جن لوگوں کو اتنا بڑا کام سامنے رکھ کر چلنا ہو، چاہیے کہ وہ قواعد کارروائی کے حافظ ہوں دنیا کی بڑی بڑی پارلیمنٹوں کی تاریخ کارکردگی اور خاص خاص نامور پارلیمنٹیرینوں کے کیے ہوئے اقدامات ان کے سامنے ہوں، وہ دنیا بھر سے نظائر ڈھونڈ سکیں، وہ ہر پیش نظر موضوع پر رائج الوقت قوانین کو پڑھیں اور ان کے سقم تلاش کریں - وہ متعلقہ ملکی حالات اور ان کے اعداد و شمار اور ان کے بگاڑ کی تاریخ اور ان کے متعلق حکومتی سازشوں کو جانتے ہوں، وہ اپنے مسودات میں ایک ایک لفظ اس طرح سوچ کر لکھیں کہ اس کے حق میں دلائل کی لڑائی میں کبھی شکست نہ کھائیں - انہیں غچہ نہ دیا جا سکے، انہیں دل خوش کن مغالطوں کا شکار نہ بنایا جا سکے، ان کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی جائیں تو وہ ان کو توڑنے کے لیے سیاسی مجالس اور اخباری کالموں میں ہل چل مچا دیں - ان کی پارٹی یا گروپ کی ہیئت اتنی مضبوط ہو، گویا کہ فرد واحد کام کر رہا ہے، ایک جب بولے تو سب کی طرف سے بولے، اور پھر سب اس کی آواز کو مضبوط بنانے کے لیے اپنی اپنی آواز اس میں شامل کر دیں -

خدا کرے ہمارے پارلیمانی رفقا پیش آمدہ مرحلے کے بھاری تقاضوں سے حسن و خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوں -

---

تفہیمات

حصّہ چہارم

○

سائز ـــ ۲۳×۱۸/۸ ○ صفحات تقریباً ۴۰۰

ـــــ کوّر دیدہ زیب ـــــ

○

قیمت ـــــــ ۳۲/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ لاہور

رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار

تبدیلیٔ پتہ

اِدارۂ ترجمانُ القرآن لمیٹڈ

دربار مارکیٹ (میلا رام ملز)

سے

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار

منتقل ہو گیا ہے۔ قارئین نوٹ فرمالیں

جنرل مینجر

اِدارۂ ترجمانُ القرآن لمیٹڈ۔ لاہور